www.novelsclubb.com
فسانہء سراب
از قلم بنتِ شعبان
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

فسانہ ء سراب

از قلم

بنتِ شعبان

www.novelsclubb.com

انتساب:

ناول زادیوں کے نام۔

www.novelsclubb.com

پیش الفاظ:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس ناول کو میں نے بہت اچانک لکھا ہے۔رات میں سوتے ہوئے خیال آیا اور صبح اٹھ کر لکھنا بھی شروع کر دیا۔بے شک یہ تحریر اللّٰہ پاک نے لکھوائی ہے مجھ سے۔میں بڑے بڑے دعوے نہیں کر رہی کہ آپ لوگ بہت کچھ سیکھیں گے ،یا بہت اچھی لگے گی۔یہ بس ایک عام سی کہانی ہے۔اس کہانی کا انجام میں نے وہ نہیں لکھا، جو میرے ذہن میں تھا۔اس کہانی کے انجام کا بھی کرداروں نے ہی تعین کیا ہے۔میں اپنی ان ساتھیوں کی احسان منداور شکر گزار ہوں، جنہوں نے اس تحریر کی تکمیل میں میری مدد کی۔فریحہ خان کی تہہ دل سے ممنون ہوں، جنہوں نے اپنی مصروف کن زندگی میں سے وقت نکال کے روز میری کہانی کو سنا اور میری حوصلہ افزائی کی۔اور اس کے بعد ایک بہترین لکھاری گل عاتکہ کی جنہوں نے اس میں موجود غلطیوں کی اصلاح کی۔فاطمہ

آپی جنہوں نے میری اس تحریر کو یہ خوب صورت نام دیا۔ور پھر میری دوست لائبہ مہر بہت شکریہ ہمیشہ میرے ساتھ رہنے کے لئے!

www.novelsclubb.com

”در نجف ولد معراج حسن آپ کو عائش ابراہیم ولد ابراہیم خان باعوض دس لاکھ روپے حق مہر سکہ راجل وقت اپنے نکاح میں قبول ہیں؟“

”قبول ہے۔“

اس نے سرگوشی کی تھی۔

وہ خاموش گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی اس سے کاغذات پر دستخط لیے جا رہے تھے اور وہ خاموشی سے کر رہی تھی۔

نکاح کی رسم اب ختم ہو گئی تھی۔سب اب ایک دوسرے کو گلے لگا کر مبارکباد پیش کر رہے تھے۔

****

www.novelsclubb.com

سرمئی رنگ کی تھیم میں خوبصورتی اور نفاست سے سجے ایک وسیع و عریض بیڈ روم میں وہ جہازی سائز بیڈ پر سرخ اور سنہرے عروسی جوڑے میں مبلوس بیٹھی ہوئی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ درنجف کی دھڑکن ایک لمحے کو جیسے تھم سی گئی تھی۔

اور اگلے ہی پل وہ ششدر رہ گئی۔

ڈریسنگ ٹیبل کا سامان بکھر گیا۔ کانچ کا گل دان جو شدید نفرت سے فرش پر پھینکا گیا تھا، اس کے ٹکڑے یہاں وہاں بکھر گئے تھے۔ وہ پھول بیلیوں کو نوچ کھسوٹ کر پھینک رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کمرے کی ایک ایک چیز کو آگ لگا دے، سب تباہ کر دے۔ کپکپاتے لبوں پر سکوت ٹھہر گیا۔ وہ سراپا حزن بنی بالکل ساکت تھی۔ وہ لال انگارہ آنکھوں سے گھورتا اس کی طرف بڑھا۔ ڈر اور خوف سے اس کے حلق سے چیخ برآمد ہوئی۔

اگلے ہی پل وہ بستر سے اٹھ کر بیٹھی۔ اُس کا تنفس کافی تیز چل رہا تھا۔ جسم پسینے سے تر اور ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ بے ساختہ سر اٹھا کر اس نے متوحش

نگاہوں سے اطراف میں دیکھا۔ کمرہ نہایت خوبصورت تھا۔ خوبصورت پردے، نرم گداز جہازی سائز کا بیڈ، اور نیچے قالین بچھا ہوا تھا۔ کھڑکی کے باہر باغ کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ کونے میں ایک اسٹڈی ٹیبل اور ریک بھی موجود تھا۔ بیڈ کے سامنے والی دیوار پر پچاس انچ کا ایل ای ڈی نصب تھا۔ وہ کمرے میں بالکل اکیلی تھی۔

وہ سب محض ایک خواب تھا۔ بھیانک خواب۔

خشک لبوں کو تر کرتے ہوئے عروسی جوڑے کا دامن اپنے ہاتھوں میں سنبھال کر وہ بیڈ سے اتر گئی۔

www.novelsclubb.com

****

صبح کی روشنی اور چمک دھرتی پر پھیل چکی تھی۔

نیلے رنگ کا کام والا نفیس جوڑا زیب تن کیے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی کچھ بے دلی سے اپنے بال بنا رہی تھی، جب دروازے پر دستک ہوئی۔

”آجائیں!“اس نے ہمت مجتمع کر کے کہا تھا۔دروازہ کھل گیا۔دراز قد،دبلی پتلی جسامت،آنکھوں پر لگے موٹے چشمے والی لڑکی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

”بھابھی آپ کے گھر والے ناشتہ لے کر آگئے ہیں۔سب آپ کے منتظر ہیں۔“

”میں آرہی ہوں۔“فریش نظر آنے کے لیے ہلکا سامیک اپ کیے،دوپٹہ سلیقے سے سیٹ کر کے وہ نیچے آگئی تھی۔ڈائننگ ہال میں سب موجود تھے۔

”السلام علیکم!“

مشترکہ سلام کر کے وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ سب سے مل کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

www.novelsclubb.com

”عائش کہاں ہے نظر نہیں آرہا۔“

یہ سوال ابراھیم خان کی بہن(نیلم بیگم)نے پوچھا تھا۔

”بھائی کی آج بہت ضروری میٹنگ تھی پھوپھو،اسلئے وہ آفس چلے گئے پر آپ فکر نا کریں فنکشن سے پہلے آجائیں گے۔“

یہ تھی ابراہیم خان کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی زحل ابراہیم خان۔ جس نے پھوپھو کے سوال کا جواب نہایت مؤدبانہ انداز میں دیا تھا۔ درے نے کئی آنسو حلق میں اتارے۔ تو یہ تھا ایک نیا امتحان جو اس کا منتظر تھا!

کافی دیر سب باتیں کرتے رہے پھر درِ نجف کے گھر والے الوداعی کلمات کہتے روانہ ہو گئے۔ وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

****

"پلٹ آؤ!

کہ خوابوں کی زمینوں پر

کسی دنیا کا شہزادہ کئی مقرنوں

کئی صدیوں سے تیری یاد کی جھالر میں بیٹھا ہے

اے اذن حضوری دو....!!

کہ اسکی منجمد آنکھوں میں

خوشی کی تتلیاں اتریں

کہ اب بھی شہر کی گلیاں تمھارے پاؤں کی حدت پہ مرتی،

بس تمہیں آواز دیتی ہیں

دیۓ ہر آنے والے سے تمہارا پوچھتے ہیں اور دروازے.... تمہاری آہٹوں میں گم

مگر تم؟

دوریوں کے شہر سے بھی دور بیٹھے ہیں، جہاں آواز بھی جانے سے ڈرتی ہے

کہ اب بھی راستے امید کی خوشبو سے مہکے ہیں

کہ تنہائی.....!

ہماری روح کے ساحل پہ جب بھی بین کرتی ہے

تمہارا نام لیتی ہے

ہوا جب گنگناتی ہے

تو اس کے سرمئی ہونٹوں سے تیرے درد میں ڈوبے ہوۓ لمحوں کی

کچی بو آتی ہے!

پلٹ آؤ!

کہ اب ہم دیوتاؤں کی طرح خاموش رہ رہ کر

تمھارے ہجر کے آزار سہہ سہہ کر

بہت ہی تھک چکے ہیں

ہمیں اب نیند کے لمبے سفر پر لوٹ جانا ہے

جہاں ہم نے زمانے کی نگاہوں سے پرے

اک اور ہی منظر بسانا ہے

www.novelsclubb.com

پلٹ آؤ!

کہ یہ لمحے

ہمارا ماس کھانے پر تلے ہیں

زندگی بارود بن کر جسم و جاں میں دوڑتی ہے

آنکھ پتھرائی ہوئی ہے

ہاتھ شل ہیں
اور ہم پر موت کی ویرانی چھائی ہوئی ہے
پلٹ آو...پلٹ آؤ!
کہ دل کی دھڑکنیں اب بھی
تمھارے نام کی تسبیح
صبح شام پڑھتی ہیں۔"

(ذریعہ نامعلوم)

وہ جہاز کی ونڈو سیٹ پر بیٹھی کھڑکی کے باہر آسمان کو روبرو دیکھ رہی تھی۔ جہاز بادلوں کی وادیوں میں تھا۔اس نے ایک نظر کھڑکی سے باہر تیرتے بے خوف بادلوں کو دیکھا اور پھر فوراً موبائل نکال کر سناپ بنائی۔

آٹھ گھنٹے کا سفر تیزی سے گزر گیا تھا اور پاکستان کا خوبصورت شہر لاہور اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔وہ مطلوبہ کاؤنٹر سے اپنا سامان ٹرالی میں گھسیٹتی ہوئی،

شیشے کے آٹو میٹک دروازے پر طائرانہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

ائیر پورٹ پر لوگ اپنے پیاروں کو ریسیو کرنے آئے ہوئے تھے۔ وہ ٹرالی گھسیٹتے ہوئے مزید قریب آئی مگر وہاں کوئی موجود نہ تھا۔

"آہہہ یہ انسان کبھی وقت پہ نہیں آتا۔"

وہ گردن دائیں سے بائیں ہلاتی متلاشی نظروں سے دیکھنے لگی۔ ایک جانی پہچانی آواز اسے اپنی پشت سے آتی سنائی دی۔

"ویلکم ٹو پاکستان گل نین ابراہیم خان۔"

وہ پلٹی تو دیکھا سامنے کھڑا درمیانے قد کاٹھ کا شخص جس کی آنکھیں نیلے سمندر کی متشابہ تھیں۔ کالے گھنگریالے بال جو اس پر سوٹ کر رہے تھے۔ کالے رنگ کی ڈریس پینٹ کے اوپر ہلکے نیلے رنگ کی شرٹ پہنے وہ شخص کافی ہینڈسم دکھائی دیتا تھا۔

"کبھی تو وقت پر آجایا کریں جبران صاحب۔"

”ارے ہم تو صبح سے آپ کی راہ میں پلکیں بچھائے بیٹھے ہیں،اس کو لانے میں دیر لگ گئی۔“

اس نے سفید رنگ کے ٹیولپ کا گلدستہ گل نین کی جانب بڑھایا۔اس نے مسکراتے دلکشی سے گلدستہ تھاما۔

جبران نے ایک نظر بھر کر سفید رنگ کی شرٹ کے ساتھ پہنے بلیک کلر کی گھٹنوں تک آتی پینٹ میں ملبوس گل نین کو دیکھا۔اس کے بال لائٹ براؤن تھے جو کندھوں سے تھوڑا نیچے تک آتے تھے۔اس نے مہارت سے تراشے ہوئے بالوں کو نیچے سے کرل کر کے کندھوں پر پھیلا رکھا تھا۔اُس کے بالوں اور آنکھوں کا رنگ ایک جیسا تھا۔

”چلیں اب! سب پہنچ بھی گئے ہیں۔اور مجھے ابھی تیار بھی ہونا ہے۔“

اس نے اپنا سفری بیگ جبران کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

”مزید تیار ہونا ہے ابھی تم نے؟“جبران نے اس کے سراپا کو دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا۔

www.novelsclubb.com

"بالکل میرے بھائی جاناں کا ولیمہ ہے اور اب جلدی کرو میرا سرپرائز خراب نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ جبران کے ہمراہ ایئرپوٹ سے نکل کر اپنی راہ پر گامزن ہو گئے۔

****

تقریباً ایک سے ڈیڑھ گھنٹا گزر چکا تھا اور درِ نجف تیار ہو کر انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اب تو اس کی ہمت بھی جواب دے چکی تھی۔

"میم آپ کو باہر لینے آئیں ہیں۔" وہاں کی ورکر نے آکر اسے اطلاع دی۔

صد شکر کرتی وہ اپنی میکسی مٹھیوں میں جکڑ کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے پیازی رنگ کی بھری کام والی میکسی زیب تن کی ہوئی تھی۔ بالوں کو کھلا چھوڑا ہوا تھا، جس کی کچھ شریر لٹیں اس کے چہرے پر جھول رہی تھیں۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ بلاشبہ وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔ وہ گلاس ڈور کو دھکیلتی باہر کی طرف آئی۔ باہر کھڑے شخص کو وہ صدمے سے، ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ پتھر کی بنی کھڑی رہ گئی۔ بے ساختہ ہی کوئی

منظر ذہن کے پردوں پر لہرایا تھا۔یکا یک اس کی اذیت بڑھ گئی تھی۔حال نے آئینہ بن کے ماضی کا عکس دکھلایا تو اس کی اذیت بڑھ گئی تھی۔

”چلیں بھابھی لیٹ ہو رہے ہیں ہم۔“زحل کی آواز سے اس کا حواس بحال ہوا۔

وہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔گھنے سیاہ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔رگیں تنی ہوئی تھیں۔چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی۔وہ چلتا گاڑی کا دروازہ کھولتا اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔مگر درنجف کو اس وقت سب آوازیں بے مقصد لگ رہی تھیں۔

”بھابھی بھائی کو آرام سے ہال میں جا کر دیکھ لیجئے گا ابھی چلیں۔“

زحل شرارت سے کہتی اسے بیٹھنے میں مدد کرنے لگی۔

اب گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔تو یہ کھیل کھیلا تھا قسمت نے اب اس کے ساتھ۔ایک نئی آزمائش،نیا سفر،نئی زندگی!

****

ولیمہ کی تقریب انتہائی شاندار طریقے سے منعقد کی گئی تھی۔ سفید اور سرخ پھولوں سے سجائے گئے خوب صورت ہال میں یہاں وہاں لوگ گھومتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ اسٹیج پر بیٹھے وہ دونوں مکمل لگ رہے تھے۔ در نجف کا ذہن پھر سے بھٹکا تھا۔ آنکھوں میں لاتعداد آنسو آئے تھے۔

"اسلام و علیکم!"

پلکیں جھپکا کر آنسوؤں کو روکتے ہوئے اس نے سر اٹھایا تو نگاہیں سامنے کھڑی لڑکی سے ٹکرا گئیں۔

وہ سلک کی کالی ساڑھی میں ملبوس، لائٹ سا میک اپ کیے ہوئے تھی۔ چہرہ نکھرا نکھرا اور تروتازہ لگ رہا تھا۔ آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی۔ اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتی عائش نے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا اور عقیدت سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ لبوں پر ایک دلکش مسکان تھی۔

”تم کب آئی؟ تمہارے تو ایگزامز ہو رہے تھے نا؟“

”بس بس بھائی جاناں! سانس تو لے لیں سب بتاتی ہوں۔پہلے مجھے بھابھی سے تو مل لینے دیں۔“

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔اور در نجف کے آگے ہاتھ کیا۔

”میں آپ کی نند نمبرون، گل نین ابراہیم۔“

اس کے آنے سے سب بہت خوش تھے۔ فنکشن کو چار چاند لگ گئے تھے۔وہ وہاں عائش کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

”اب ذرا مجھے ساری تفصیل بتاؤ۔کب کیسے آئی اور کس کے ساتھ آئی؟“

عائش نے مصنوعی خفگی سے پوچھا۔اس کا جواب اسے پتہ تھا مگر وہ پھر بھی گل نین کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

”میں آج ہی آئی ہوں تین گھنٹے پہلے اور مجھے ایئرپورٹ سے ریسیو کرنے میرے بچپن کا دوست پلس آپ کا کزن آیا تھا۔“

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اس نے لبوں کو دانتوں میں دباتے ہوئے بتایا۔اور ساتھ ہی ساتھ جبران کی پھینٹی کا بھی بندوبست کر دیا۔جو مسکراتا ان کی طرف ہی آرہا تھا۔اب منظر کچھ یوں تھا، سب اسٹیج پر بیٹھے مختلف پوز میں فوٹو شوٹ کروا رہے تھے۔دور کہیں حسد اور نفرت بھری نگاہیں یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔

****

چاند پورے آب وتاب سے چمک رہا تھا۔

وہ کچھ دیر پہلے گھر پہنچی تھی اور اب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی کچھ جھنجھلاہٹ سے اپنی جیولری اتار رہی تھی۔آنکھوں میں نمی تھی، چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ولیمہ ریسیپشن کے دوران وہ بالکل خاموش تھی۔

ہر چیز سے بے نیاز۔

قدموں کی آہٹ کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھل گیا تھا۔اس کے بالوں سے پنز اتارتے ہاتھ تھمے۔بے ساختہ نظر اٹھا کر اس نے آئینے کے عکس میں عائش کو

دیکھا تھا۔ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا، کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر لٹکا تا اب وہ بیڈ پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتار رہا تھا۔رسٹ واچ، کف لنکس اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے تھے۔وہ عجلت میں اپنے کام کر رہا تھا اور در نجف ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پتھر بنی کھڑی تھی۔کل سے وہ اب اس کی موجودگی میں کمرے میں آیا تھا۔وہ عائش ابراہیم کو دیکھ رہی تھی اور عائش ابراہیم نے غلطی سے بھی ایک نگاہ اس پر نہیں ڈالی تھی۔کچھ دیر بعد کپڑے بدل کر وہ اٹیچڈ باتھ روم سے باہر آگئی تھی۔سفید رنگ کی قمیض شلوار میں ملبوس وہ عام سے حلیے میں بہت پر کشش نظر آرہی تھی۔

عائش نے کمرے کی لائٹس آف کر دی تھیں۔اب صرف نیلگوں بلب ہی تھا جو اندھیرے میں مدھم سی روشنی کا تاثر دے رہا تھا۔وہ سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔در نجف کنفیوز سی دوپٹے کا پلو موڑتی بیڈ اور صوفے کے درمیان کھڑی تھی۔

”بیڈ پر آکر سو جائیں درے۔“

خمار میں ڈوبی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔وہ سانس روکے چلتی ہوئی بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔تھکاوٹ کا اثر تھا آنکھیں بند کرتے ہی نیند مہربان ہو گئی تھی۔

****
*

نیلم بیگم نے کمرے میں قدم رکھا تو سانس ساکن ہو گئی۔کمرے میں ہر چیز بکھری پڑی تھی۔آس پاس شیشے کے کانچ زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔وہ اپنے بستر کے کنارے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھی تھی۔سر بستر کی پائنتی سے ٹکا رکھا تھا۔ دائیں ہاتھ سر کے نیچے اور بایاں ہاتھ زمین پر رکھا تھا۔وہ خالی نگاہوں سے چھت کو مسلسل تکتی جا رہی تھی۔نیلم بیگم آہستگی سے اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھیں اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"یہ کیا حال بنا رکھا ہے مسافرہ۔"

ان کے لہجے میں افسوس اور دُکھ تھا۔

مسافرہ نے گردن ترچھی کر کے دائیں جانب پنجوں کے بل بیٹھی اس ادھیڑ عمر عورت کو دیکھا۔

"اس نے مجھ سے میرا نصیب چھین لیا اماں۔"

آنکھ کے کنارے سے بہتا آنسو اس کے کرب کا گواہ تھا۔

"کوئی کسی کا نصیب نہیں چھین سکتا بچے۔ یہ قسمت کا لکھا مان کر سب قبول کر لو۔"

انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اپنا نصیب کسی اور کے ساتھ دیکھ کر قبول کرنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔"

مسافرہ کرب سے مسکرائی اور وہ اسے خالی نگاہوں سے دیکھتی رہیں۔

"جتنی جلدی حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے تکلیف اتنی ہی کم ہوتی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو بھی اپنی بیٹی کی تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا۔"

الفاظ تھے یا گھونسا، نیلم بیگم کو لگا جیسے سیدھا کسی نے کھینچ کر ان کے دل پہ مارا ہے۔

****

اگلی صبح بہت روشن تھی۔

"نام کیا ہے اس کا؟" بالوں پر برش پھیرتی در نجف نے شیشے میں سے عائش کا عکس دیکھتے پوچھا۔ وہ جو لیپ ٹاپ میں گم تھا اسکی آواز پر چونکا۔

"کون۔۔ کس کی بات کر رہی ہیں؟" عائش نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"آپ کی بیوی کی۔"

"در نجف۔" نظریں پھر سے لیپ ٹاپ پر جمائی تھیں۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولی۔

"آپ کی پہلی بیوی کا۔" اسکی بات پر عائش نے اسے دیکھا۔ بظاہر وہ نارمل تھی۔ مگر وہ جانتا تھا۔۔۔ اسکے اندر کئی سوال اٹھ رہے ہیں۔ وہ لیپ ٹاپ سائیڈ

www.novelsclubb.com

پہ رکھتا در نجف کو دیکھتے ہوئے اسکے نزدیک آیا۔وہ اسکے بالکل پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔در نجف نے نظریں اٹھا کر اسکا عکس دیکھا۔وہ دھیما سا مسکرایا۔اور آہستگی سے اس کے ہاتھ سے برش لے کر اس کے بالوں میں پھیرنے لگا۔

در نجف کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔عائش اس کے بائیں کان کے قریب جھکا تھا۔اس لمحے در نجف کو اپنے دل کے دھڑکنے کا شور سنائی دے رہا تھا۔

"میری پہلی اور آخری بیوی کا نام در نجف ہے۔"

اس نے مدھم سی سرگوشی کی۔عائش کے پرفیوم کی خوشبو اس کی سانسیں الجھانے کے لیے کافی تھی۔وہ پیچھے ہوا اور ایک گہری نظر اسے دیکھا جو سانس روکے کھڑی تھی۔در نجف نے ہلکی گلابی رنگ کی کرتی اور ہاف وائٹ رنگ کا ٹراؤزر زیب تن کیا ہوا تھا۔ لمبے سلکی بالوں کو کھلا چھوڑا ہوا تھا۔میک اپ کے نام پر اس نے ہلکی سی لپسٹک لگا رکھی تھی۔عائش چند لمحے دل گرفتگی سے اسے دیکھتا رہا۔

دروازے پر ہوئی دستک نے اس کا سحر توڑا۔

"ہم نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا۔"

گل نین اور زحل نے اندر آتے ہوئے باری باری در نجف اور عائش کو دیکھا۔

"نہیں۔"

عائش نے انگلی سے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے جواب دیا اور پاس کھڑی در نجف کو دیکھا جو مجسمہ بنی کھڑی تھی۔

وہ مسکراتا اپنا موبائل اور لیپ ٹاپ اٹھاتا دروازے کو عبور کر کے باہر نکل گیا۔

****

وہ کچن میں کھڑی میٹھا پکائی کی رسم کے لئے کھیر بنا رہی تھی۔ایک طرف دوپٹے کو باندھ رکھا تھا اور دوسری طرف بالوں کا جوڑا کر کے وہ مکمل طور پر کام میں مگن تھی۔

"بھابھی دودھ کتنا ڈالنا ہے اس میں۔"

گل نین کی آواز پر اس نے دودھ کی مقدار بتائی۔

حزل کچن کے ٹیبل پر بیٹھی ڈرائی فروٹس کاٹ رہی تھی۔

"بھابھی یہ کب تک بن جائے گی؟"

گل نین نے کھیر میں چمچہ ہلاتی در نجف کو مخاطب کیا۔

"تقریباً چھ گھنٹے تک۔" اس نے مصروف انداز میں کہا۔

"کیا یہ کھیر ہے یا پائے جو اتنا وقت لگے گا۔"

حزل نے حیرانگی سے کہا۔

"کھیر تو دو گھنٹے میں بھی پک جاتی ہے، یہ میری اسپیشل ریسیپی ہے اس میں وقت لگے گا۔"

در نجف نے کھویا کھیر والی دیگچی میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

****

گھڑی رات کے نو بجا رہی تھی۔ سب ڈائننگ ایریا میں موجود تھے سوائے نیلم بیگم اور مسافرہ کے۔ کھانا کھانے کے بعد اب سب درے کی بنائی ہوئی کھیر کھا رہے تھے۔ جیسے جیسے سب کھا رہے تھے درے کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

"واہ بھابھی مزہ آگیا! آج تک میں نے اتنی لذیز کھیر نہیں کھائی۔"

جبران نے کھیر کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے کہا۔اس کی تعریف کے بعد درے نے اپنی ساس کی جانب دیکھا۔

"مزے کی کیسے نا ہوتی، بھابھی صبح سے بنا رہی تھیں۔" گل نین نے کہا۔

"ممی آپ بتائیں کیسی ہے؟" اپنی پلیٹ میں کھیر ڈالتے ہوئے خزل کہہ رہی تھی۔

"بہت اچھی! یہاں آئیں درِ نجف۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتی ان کی طرف گئی۔ مسز ابراھیم نے اپنے کنگن اتار کر باری باری اس کے دونوں ہاتھوں میں پہنا دیے۔ درے کی آنکھیں نم تھیں۔ چہرے پر چمک تھی۔ وہ اس کو دیکھ کر شفقت سے مسکرائیں اور بولیں۔

www.novelsclubb.com

”یہ میری ساس نے مجھے میٹھا پکائی کی رسم پہ دیے تھے اور اب میں آپ کو دے رہی ہوں۔“

”چلیں بھائی اب آپ بتائیں کیسی لگی کھیر۔“گل نین نے اچانک پوچھا تھا۔گل نین کے کہنے پر سب کی نگاہیں عائش کی جانب اٹھیں۔

سیاہ ٹراؤزر پر سفید شرٹ میں ملبوس وہ عام سے حلیے میں تھا۔فراغ پیشانی پر بال بکھرے تھے۔آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔عائش کے انداز میں عجلت نمایاں تھی جیسے وہ جلد از جلد یہاں سے اٹھ جانا چاہتا ہو۔

”اچھی ہے۔“وہ اپنی پلیٹ صاف کرتا اٹھ گیا۔

درنجف کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔اس نے حلق میں ابھرتی گلٹی کو بمشکل نیچے اتارا تھا۔

اس کا کھلا چہرہ بجھ گیا۔جس کو سب نے بخوبی نوٹ کیا تھا۔وہ اس کو بادلوں میں چھپے چاند جیسا لگا۔کبھی روبرو، کبھی لاپتہ!

****

پیرس

کمرے کی حالت ابتر تھی۔ کپڑے بے ترتیب انداز میں کاؤچ کے پاس پڑے تھے۔بستر کی چادر پر سلوٹیں تھیں اور کمرے میں شراب کی بوتلیں کاؤچ کے ارد گرد گری ہوئی تھیں۔ کمرے کی فضامیں سگریٹ کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ سینٹر ٹیبل پر رکھا ایش ٹرے بھرا ہوا تھا۔ کمرے کی ہر دیوار پر ایک ہی دوشیزہ کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ وہ کاؤچ پر غیر آرام دہ انداز میں ٹیک لگائے دونوں پیروں کو قینچی کی صورت سامنے رکھے ٹیبل پر پھیلائے بیٹھا تھا۔ اور وقفے وقفے سے ہاتھ میں تھامی مشروب کے گھونٹ بڑھ رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے، کاؤچ کا سہارا لیتے ہوئے اٹھا اور دیوار پر لگی تصویر کے نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں میں عجیب سا خمار لئے وہ تصویر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"تم۔۔۔تم صرف میری ہو۔"

وہ مغرور انداز میں انگشت شہادت رکھتے ہوئے نشے میں دھت بلند آواز میں بڑبڑایا۔

"تم میرے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔ میں جانتا ہوں تم بھی مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہو اور اگر ہمارے درمیان کوئی بھی آیا۔" دھیمے انداز میں مسکرایا۔

"ارتضیٰ ملک اسے مٹی کا ڈھیر کر دے گا۔"

اگلے ہی پل اس کی مسکراہٹ تھمی اور آنکھوں میں عجیب سی جلن ابھری۔

****

فجر کو قضا ہوئے ساعتیں بیت چکی تھیں۔ وہ لان میں نم گھاس پر چہل قدمی کر رہی تھی۔ کسی خیال میں گم وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"اہم اہم کس کے خیالوں میں مسکرایا جا رہا ہے۔"

جبران کی آواز پر گل نین کی مسکراہٹ تھمی اور آنکھوں میں شرارت اُبھری۔

"تمھارے تو بالکل بھی نہیں۔"

"ہاں مجھے پتہ ہے تم کبھی اچھا نہیں سوچ سکتی۔"

وہ سنجیدہ نہیں رہ سکتا تھا یہ بات تو طے تھی۔

"تم اتنی صبح جاگے ہوئے ہو خیر ہے نا۔"

"ہاں بس تھوڑی دیر تک واپس ایبٹ آباد کے لیے نکلنا ہے، اسلئے فجر پڑھ کر سویا نہیں۔"

جبران نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو کچھ دن اور رک جاتے۔"

گل نین کی آواز دھیمی تھی۔

"محترمہ ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ میں روڈ پر نہیں آنا چاہتا اور ویسے بھی مسافرہ کی بھی کلاسز سٹارٹ ہیں کل سے، جانا ضروری ہے۔"

"ھمم اچھا چلو میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔" گل نین نے خفا سا چہرہ ٹھیک کر لیا۔

"ساتھ میں وہ کوکیز بھی جو تم نے لاسٹ ٹائم بنائی تھی۔"

اس نے اپنی نیلی آنکھیں گول گول گھمائی تھیں۔

"ہاں بس فوراً سے موقع کا فائدہ اٹھا لیا کرو بھوکڑ۔"

جبران کو گھورتی وہ اندر کو چلی گئی۔

****

کمرہ اندھیرے کی زد میں تھا۔کمرے کی چھت تک جاتی کھڑکیوں پر پردے پڑے تھے۔سورج کی روشنی اندر داخل نہیں ہو پا رہی تھی۔

مسافرہ بنا چاپ کے خاموشی سے کمرے میں داخل ہوئی۔اس نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا تو یکدم کمرہ روشن ہو گیا۔درے نجف اچانک روشنی آنکھ میں پڑنے کی وجہ سے جھنجھلائی۔

"ہم جا رہے تھے تو سوچا آپ سے مل لوں۔"

مسافرہ دروازہ مقفل کر کے فوراً بستر کے پاس آئی جہاں وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گم صم سی بیٹھی تھی۔

جواباً اُس نے خالی خاموش نظروں سے مسافرہ کو دیکھا تو وہ فوراً خجالت سے بولی۔

"میں بس آ ہی رہی تھی۔"

"میں گیارہ سال کی تھی جب مجھے پتا چلا کہ میرا رشتہ عائش کے ساتھ تہہ ہوا ہے۔بچپن سے اپنا نام ان کے ساتھ سنتی آ رہی تھی بچی تھی نہ ذھن نے اس

بات کو پکا سمجھ لیا۔" آج نا جانے کتنے دنوں بعد مسافرہ کے منہ سے آواز نکلی تھی۔

"پھر اچانک سب بدل گیا میرے بخت کا تخت آپ کو مل گیا۔ میں آپ کو تکلیف دینے نہیں آئی بس اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے آئی تھی۔ اگر میری کسی بھی بات سے آپ کو تکلیف ہوئی ہو تو معذرت۔" در نجف کے چہرے پر آنسو دیکھتے اس نے کہا۔

"مجھے امید ہے جب ہم اگلی بار ملیں گے تو حالات مختلف ہونگے۔"

آنکھ میں آئی نمی کو خشک کرتے وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ اور در نجف وہیں سراپا سوال بنی بیٹھی تھی۔

یہ شادی مجبوری تھی، سمجھوتہ یا بدلہ!

ایسے کئی سوال اس کے ذہن میں آرہے تھے۔ دماغ میں سوچوں کا ایک انبار نکلا تھا۔

(وہ وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی ریسٹورانٹ پہنچ گئی تھی۔وہ مخصوص ٹیبل پر بیٹھی بار بار ہاتھ میں پہنی گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔اس نے بلیک رنگ کا کرتا پاجامہ پہنا ہوا تھا۔گلے میں دوپٹے کو ڈال کر بالوں کو آزاد چھوڑ رکھا تھا۔میک اپ کے نام پر آنکھوں میں ہلکا سا کاجل لگایا ہوا تھا۔وہ سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی تھی۔

ہلکی سی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا۔تو نظر سامنے کھڑے شخص سے جا ٹکرائی۔وہ سامنے کھڑا اسی کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔خاموشی کا دورانیہ ہوا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو تم۔"

"تھینک یو۔"وہ مسکرائی تو اس کے بائیں گال پر ہلکا سا ڈمپل نمایاں ہوا۔

وہ کافی کنفیوزڈ دکھائی دے رہا تھا۔گود میں رکھے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے اس نے بات کا آغاز کیا۔

"ایکچولی در میں کہنا چاہتا تھا کہ۔۔۔

اس کی دھڑکن عروج پر تھی۔مارے گھبراہٹ کے اسکے چہرے پر پسینہ آرہا تھا۔

مجھے تم اچھی لگتی ہو، محبت کرنے لگا ہوں تم سے۔"

درے کو یہ جان کر شدید جھٹکا لگا۔

"میں تمیں صرف اپنا اچھا دوست سمجھتی ہوں عائش لیکن تم نے آج مجھ سے میرا دوست چھین لیا۔"

وہ افسوس سے کہتی اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

عائش کو ایک دم سے ہوا میں آکسیجن کی کمی محسوس ہوئی ایک عجیب سے احساس نے اس کے دل کا طواف کیا۔)

موبائل کے چیخنے کی آواز پر ایک دم ماضی چھوٹ گیا اور فسوں ٹوٹا۔

"تم خوش تو ہو نا درے؟"کان کے ساتھ فون لگاتے ایک شفیق اور مہربان سی آواز ابھری بہت محبت اور مان سے پوچھا گیا تھا۔درے نے ایک گہرا سانس اندر کو کھینچا، اسے مان رکھنا آتا تھا۔

"بہت زیادہ ماما جان۔" اس کی آواز کھوکھلی تھی۔

****

خان ہاؤس پر رات اتر گئی تھی۔ ملازم اپنے اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے۔ گھر کے مکین بھی اپنے اپنے کمروں میں خواب خرگوش میں مبتلا ہو چکے تھے۔ آج کی رات بوجھل اور خاموش تھی۔ وہ بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی مگر نیند تھی کہ آہی نہیں رہی تھی۔ ہلکی سی دستک کے بعد عائش کمرے میں داخل ہوا۔

کمرہ خالی تھا۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد باہر آئی۔ عائش گرے رنگ کی ٹراؤزر اور سیاہ رنگ کی ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ عائش دائیں جانب کو مڑا، وہ بھی اُسی جانب کو مڑی۔

درے سر جھٹک کر بائیں جانب کو بڑھی تو عائش نے اس کو ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"ہم کب تک ایک دوسرے سے یوں ہی بھاگتے رہیں گے۔" وہ قدم بقدم اس کے نزدیک آتا اپنے گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔

"بولیں درے۔" ایک لمحے کے لئے وہ سب کچھ بھول گئی۔

"میرا ہاتھ۔۔۔۔" درے نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے تھے مگر عائش نے اپنی انگلی اس کے ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش کروادیا۔ درے کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو تھا۔ اس نے فاصلہ ختم کرتے درے کو نزدیک کیا۔

(پھر اچانک سب بدل گیا میرے بخت کا تخت آپ کو مل گیا۔)

کسی نے درے کی سماعتوں میں زہر گھولا۔ ایک جھلک اور اُس لمحے کا فسوں دُھواں دھواں ہو گیا۔

درے نے یکدم ٹھٹک کر اُسے ہلکا سا پیچھے کو دھکا دیا۔ عائش نے چونک کر درے کو دیکھا۔ وہ اس لمحے کچھ بھی سمجھ نہیں پایا۔

"یہ شادی تم نے محض ایک بدلہ اور انتقام کے لئے کی ہے نا۔" وہ یکدم ہی پھٹ پڑی۔ عائش حیران نظروں سے اُسے دیکھتا رہ گیا۔

www.novelsclubb.com

”مسافرہ منگ تھی ناتمہاری؟ پھر کیوں اس کو چھوڑ کر مجھ سے شادی کی۔ میں نے تو سنا تھا خان مر جاتے ہیں مگر اپنی منگ نہیں چھوڑتے۔“ عائش نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

”تم ایک بدلے کے لئے اتنے۔۔۔“ اس کے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے۔ وہ دھاڑا تو کمرے کی ہر چیز خاموش ہو گئی۔

”چپ ایک دم چپ!“ اس کے پٹھانی نقوش میں ایک دم جلال آیا تھا۔ اس نے درے کو بازو سے بھینچ کر اپنے قریب کیا۔

درے نے دونوں ہتھیلیوں سے اُسے پیچھے کی جانب دھکیلا۔ عائش کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور بنا کچھ کہے برابر سے نکل کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

وہ وہیں دروازے سے ٹیک لگائے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ آنسو تھے کہ تھم ہی نہیں رہے تھے۔

بدگمانی بڑی چٹوری ہوتی ہے، محبتیں چاٹ جاتی ہے۔ رشتے ہڑپ کر جاتی ہے!

****

ایک نئی صبح،ایک نئی آزمائش،ایک نیاامتحان !ایک سرد آہ خارج کرتے اس نے آس پاس نظر دوڑائی۔وہاں سمیٹنے کے لیے بہت کچھ تھا۔جس سر فہرست میں اول اس کی اپنی ذات تھی۔اور وہ اس حقیقت کو نظرانداز کرتے اٹھ کر فریش ہونے چلی گئی۔

****

ناشتے کی ٹیبل پر غیر معمولی ساسناٹا تھا۔درے عائش کے سپاٹ سے چہرے پر وقفے وقفے سے نظر ڈال لیتی جو چپ چاپ ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔

''آپ کالج کیوں نہیں جا رہی زحل ؟''بریڈ پر جام لگاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''ابھی کلاسز فری ہیں بھائی جاناں۔''زحل نے ناک سے نیچے سرکتے چشمے کو صیح کرتے ہوئے جواب دیا۔

وہ یک لخت اُسے کچھ سیکنڈز دیکھتا رہا۔ گل نین نے اس کے جھوٹ پر مسکراہٹ دبائی۔

"ہمم۔۔"

وہ نیپکن سے منہ پونچھتے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنا کوٹ بازو پر ڈالتے ہوئے اس نے نرمی سے مسز ابراھیم کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"اللہ حافظ ماں جی دعا کریے گا۔ آج کا دن بہت اہم ہے میرے لئے۔"

"بھابھی آپ کو نہیں لگتا بھائی جاناں کے اتنے اہم دن پر آپ کو انھیں سی آف کرنا چاہیے۔"

درے نے کچھ گھبرا کر گل نین کی طرف دیکھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے جوس کا گلاس لبوں کو لگالیا۔ درے اٹھ کر باہر آگئی۔ عائش رک کر مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ نروس ہو کر رک گئی۔ آنکھوں میں اضطراب ٹھہر گیا۔

"گل نین نے کہا تھا کہ۔۔" انگلیاں مسلتے ہوئے اس نے اپنی موجودگی کی وضاحت دینا چاہی۔ "کہ کیا؟" اس نے سوالیہ انداز میں آبرو اٹھائی۔ اس کا

جواب نا پا کر وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ درے نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

جب وہ مزید نزدیک ہوا تو اس کی آنکھوں کی پلکوں کو لرزتے پایا۔

وہ اس کے بائیں گال کی جانب جھکا تو درے نے زور سے آنکھیں میچیں لیکن

پھر اسے یوں ہی جھکے پا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس نے عائش ابراھیم خان کو

مسکراتے دیکھا تھا۔ حد درجہ خوبصورت مسکراہٹ۔ اس کے دل نے اقرار کیا۔

"اللہ حافظ۔"

وہ دلکشی سے مسکراتا، آنکھوں پر سن گلاسز چڑھاتا راہداری پار کر گیا۔ درے سر

جھٹک کر اندر کی طرف چل دی۔

****

اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھی گل نین بری طرح کسی کام میں غرق نظر آ رہی تھی۔

آنکھوں میں خوشی تھی۔ اس کا موبائل تھر تھرایا۔ اس نے بے دلی سے موبائل

اٹھایا۔

"ہیلو۔" کہتے موبائل کان سے لگایا۔دوسری طرف سے کسی مرد کی آواز آئی تھی۔

"کیسی ہو؟"

"ہمیشہ کی طرح حسین۔" وہ مسکرائی۔

"کیا کر رہی تھی؟"

"یاد۔"

اس نے بائیں ہاتھ میں موبائل تھامتے اور دائیں ہاتھ سے سامنے پڑی البم کے پنے پلٹتے ہوئے جواب دیا۔

"کون ہے وہ خوش قسمت؟" دوسری طرف سے جبران کی آواز آئی۔

"ہمارا بچپن۔"

"سب کتنی جلدی بدل گیا نا۔" وہ یاسیت سے بولی۔

"ہاں اگر کچھ نہیں بدلا تو وہ تمہاری کچر ارانی جیسی شکل ہے۔" اور یہاں گل نین کا شدت سے دل چاہا کہ کاش وہ اس کے سامنے ہوتا اس وقت تو وہ اس کا سر پھاڑ دیتی۔

"تم مر کیوں نہیں جاتے ڈرٹو کہیں کے؟" وہ چیخی۔

"کس پر تم پر؟" وہ اس کو مزید زچ کر رہا تھا۔

"اللہ نہ کرے! تم جیسی مخلوق سے بچنے کے لیے تو روز میں آیت الکرسی پڑھ کے پھونکتی ہوں خود پر۔"

جبران نے ہنستے ہوئے کال بند کر دی۔ اس نے جس مقصد کے لئے کال کی تھی وہ پورا ہو چکا تھا اور وہ مقصد گل نین کو تنگ کرنا تھا۔ پیچھے گل نین کافی دیر تک اس کی شان میں مغلظات بکتی رہی۔

****

گھڑی کی سوئی دس پر تھی اور رات کے اس پہر درِ نجف، زحل، اور گل نین ٹی وی لانچ کے صوفے پر آرام سے کمر ٹکائے بیٹھی تھیں۔ زحل نے ہاتھ میں پاپ

کارن کا باؤل تھام رکھا تھا۔ جس میں وہ نظر سامنے ٹکائے وقفے وقفے سے کھا رہی تھی۔اور سامنے ٹی وی پر مووی چل رہی تھی۔ جس پر ہیرو نے ہیروئن کو پارٹی میں بال کھولنے پر سزا کے طور پر اندھیرے والے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ جہاں وہ رو دھو کر چیخ چیخ کر اسے پکار رہی ہوتی ہے۔

”افففف کس قدر بیکار مووی ہے۔“ گل نین نے ریموٹ سے ٹی وی بند کرتے ہوئے کہا۔

”اتنی اچھی تو ہے دیکھو کتنا کیئرنگ ہیرو ہے۔ سب اس کو پارٹی میں دیکھ رہے تھے اسلئے اس نے اسے سزا دی۔ تاکہ آئندہ وہ ایسے نہ کرے۔“

زحل کی بات پر گل نین کے ساتھ ساتھ درے کو بھی شدید جھٹکا لگا۔

”کاش میری زندگی بھی ایسے فیری ٹیل کی طرح۔۔۔۔۔۔۔“

”شٹ اپ!“ درے ایک دم چیخی۔ زحل کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔ لانچ میں سناٹا چھا گیا تھا۔

"یہ فیری ٹیل نہیں ہے زحل ناہی یہ ہیر و کیئر نگ ہے! یہ۔۔۔یہ ذہنی مریض ہے۔" ایک پل کو خاموش ہوئی۔

"منہ سے الفاظ سوچ سمجھ کر نکالنے چاہییں۔ کبھی کبھی اپنے کہے گئے الفاظ گلے کا طوق بن جاتے ہیں۔"

اس کی آواز غم سے بوجھل ہو رہی تھی۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"کیا ضرورت تھی فضول بکواس کرنے کی۔" گل نین نے غصے سے کہا۔

"میں نے تو بس ایسے ہی کہا تھا۔" زحل بڑبڑائی۔

"جاؤ جا کر صبح کالج جانے کی تیاری کرو۔"

گل نین ٹی وی لاؤنج سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ زحل سوچتی رہ گئی کہ ایسا بھی کیا غلط کہا اس نے۔

****

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

واش بیسن پر جھک کر اس نے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اپنے چہرے پر مارے تھے۔ پھر اس نے سر اٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ آنکھیں دھندلانے لگیں، وجود کپکپانے لگا۔ماضی ایک بار پھر اس کے حواسوں پر سوار ہو چکا تھا۔

(”بہت شوق ہے نا تمہیں اپنی زلفیں سب کو دکھا کر تعریف سننے کا؟“ اسکی کلائی جارہانہ گرفت میں آئی تھی۔

”میں نے کیا کہا تھا تمہیں ہاں؟“

”م۔۔میں نے۔۔“ وہ ڈری ہوئی تھی۔

وہ الماری سے کچھ ڈھونڈتا بہت سکون سے بول رہا تھا۔

”تمہارے یہ بال دیکھنے کا حق صرف مجھے ہے!“

وہ جیسے جیسے قریب بڑھ رہا تھا اسے اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

”پ۔۔پلیز۔۔“ وہ آنکھوں میں آنسو لیے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

اس کے خوبصورت لمبے بال زمین پر پڑے تھے۔کمرے میں بھیانک مردانہ ہنسی اور قینچی کی کچ کچ کی آواز گونج رہی تھی۔)

"کاش تم زندہ ہوتی۔"

وہ زیرِلب بڑبڑائی۔اس نے بے ساختہ نگاہ اٹھائی تھی۔کچھ حیرت سے اپنا عکس دیکھا تھا۔کچھ تکلیف، بے بسی اور آزردگی سے وہ خود کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

****

پیرس

رات تین بجے،

موبائل مسلسل وائبریٹ ہو رہا تھا۔حالانکہ وہ اسے سائیلنٹ موڈ پر کر کے سویا تھا۔شاید وہ وائبریٹ موڈ اوف کرنا بھول گیا تھا۔موبائل کی وائبریشن نے اس ذی روح کی نیند میں خلل پیدا کیا تھا۔اس نے ایک آنکھ کھول کر نائٹ بلب کی ہلکی روشنی میں گھڑی پر نظر ڈالی۔رات کے تین بج رہے تھے۔اس نے ہاتھ مار کر سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا۔پھر اسکرین پر نظر پڑتے ہی اس کی نیند آنکھوں سے غائب ہو گئی۔

"کیسے ہو؟" نگاہیں اسکرین پر ابھرتے میسج پر یوں ٹھہریں کہ آس پاس سے غافل ہو گئیں۔ پچھلے دو ہفتوں سے وہ اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔

"مجھے مس کر رہے ہیں؟" دوسرا میسج۔

"'کیا خفا ہو مجھ سے؟" تیسرا میسج۔

"جواب کیوں نہیں دے رہے؟" ساتھ ہی رونے والا ایموجی بھیجا گیا۔ موبائل ہاتھ میں لیے وہ بیڈ سے اٹھ کر بالکنی میں چلا گیا۔ وہ کچھ لمحے ایسے ہی اسکرین کو دیکھتا رہا۔

اگلے ہی لمحے مزید کئی میسج کے ساتھ موبائل کی روشن سکرین بند ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ کھڑا کسی گہری سوچ میں غرق ہو گیا تھا۔

****

اسٹڈی روم میں فائل کا سرسری سا جائزہ لیتے ہوئے اسے ایک دم بھوک کا احساس ہوا تو وہ اٹھ کر باہر آ گیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے کچن میں داخل ہوا۔

اس وقت ملازمین اپنے اپنے کوارٹر میں ہوتے تھے۔وہ فریج کھولے کھڑا تھا جب اس کو اپنے پیچھے سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو در نجف نائٹ سوٹ میں ملبوس ہاتھ میں خالی پانی والا جگ لیے کھڑی تھی۔

"میں گرم کر دیتی ہوں۔" دِر نے اس کے ہاتھ میں موجود ڈونگا لیتے ہوئے کہا۔

"آپ رہنے دیں میں کر لوں گا۔"

دِر اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر کام کرنے لگی۔وہ بھی کچن میں موجود ٹیبل پر جا کر بیٹھ گیا۔

"چاول نہیں کھاتا میں اس وقت۔"

اپنے عقب سے دِر کو عائش کی آواز سنائی دی۔دِر نے بغیر کچھ کہے دوپہر کی رکھی ہوئی کراہی نکالی اور مائیکرو ویو اون میں گرم کرنے لگی۔اور ساتھ ہی چنگیر سے

www.novelsclubb.com

روٹی نکال کر گرم کرنے لگی۔ دس منٹ کے اندر کراہی پلیٹ میں نکال کر روٹیوں کا چنگیر عائش کے سامنے رکھتی وہ کمرے میں سونے کے لئے بڑھی۔

عائش کی آواز پر رک گئی۔

"آپ نے کھانا کھایا تھا؟" عائش سنجیدہ تاثرات سے اس کو دیکھتے پوچھنے لگا۔

"جی انٹی کے ساتھ کھالیا تھا۔"

"آدھا کھانا ٹھونسنے کے بعد خیال آیا ہے!" درے پتی ہوئی سوچنے لگی۔

جانے کے لیے واپس مڑی تو دوبارہ عائش نے اس کو پکارا۔ درِ کو احساس ہوا کہ کھانے کی پیشکش کر کے اس نے غلطی کی ہے۔ وہ کرسی کھینچ کر وہیں اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"ہمیں اب اپنے درمیان غلط فہمیوں کو ختم کر دینا چاہیے۔" اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ مگر آنکھوں میں فکر ٹھہری تھی۔

کرسی کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے وہ اب براہ راست اس کو دیکھنے لگی تھی۔ اس دن کے بعد آج وہ درِ سے مخاطب ہوا تھا۔

www.novelsclubb.com

”مسافرہ تھی میری منگ لیکن جب مجھے پتا چلا تب ہی میں نے انکار کر دیا تھا۔ میرے لئے وہ بالکل گل نین اور زحل جیسی ہے۔“ وہ اس کو خاموش پا کر پھر سے بولا۔

”میں نے آپ سے شادی کسی بدلے یا اپنی دھتکار کے انتقام کے لیے نہیں کی۔ بلکہ اپنی اس محبت کے لئے کی ہے جو میں بظاہر ختم تو کر چکا تھا مگر وہ کہیں نہ کہیں چنگاری کی طرح دل میں دبی ہوئی تھی۔ پھر ایک دن۔۔۔۔۔۔۔۔“ وہ بتا رہا تھا اور وہ دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

(یہ منظر تھا ساحل پر بنے ہٹ کا جہاں وہ آدمی کالا چشمہ لگائے بظاہر اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا۔ مگر اصل میں اُسکی نگاہیں بیچ پر ایک فیملی پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ایک ادھیڑ عمر کا کپل اور ان کی بیٹی جو ساتھ مل کر ساحل کی گیلی ریت پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ اس کے لہراتے بال بار بار اُسکے چہرے پر آتے جن کو وہ اپنے ہاتھ سے پیچھے کرتی۔ ان سے باتوں پر وقتاً فوقتاً مسکرانے لگتی۔ وہ لڑکی بہت حسین لگ رہی تھی۔ مسکراتی تو اس کے بائیں گال پر ڈمپل

نمایاں ہوتا جو اُسکو اور بھی حسین دکھاتا۔ مگر اس کی آنکھوں میں وہ آٹھ سال پہلے جیسی چمک نہیں تھی۔ اس کی مسکراہٹ کھوکلی لگ رہی تھی۔ چند لمحے وہ آدمی مبہوت ہو کر بس اُس لڑکی کے شاداب چہرے کو دیکھتا گیا۔ تب ہی منظر بدل گیا، وہ فیملی وہاں سے جا چکی تھی۔)

"اس کے چند ماہ بعد میں نے ماں جی کو آپ کے گھر بھیجا تھا اور وہاں میں ان بے غیرت مردوں میں سے نہیں ہوں جو دھتکارے جانے کے بعد اپنی انا میں نکاح جیسے پاک اور مقدس رشتے کا استعمال کرتے ہیں۔"

وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے بتا رہا تھا۔ وہ بغور اسے سن رہی تھی۔ عائش اپنے پیچھے ڈھیر سارے سوالات چھوڑے کمرے کی جانب چلا گیا۔ اور درِ نجف تشویش میں مبتلا اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

****

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ زحل نے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا تو دروازہ کھلتا ہی چلا گیا۔ مسز ابراھیم جائے نماز ایک کونے میں بچھائے نماز پڑھ رہی تھیں۔

زحل نے بے اختیار ان کی طرف دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پہ کتنا سکون تھا۔ کتنی چمک تھی۔

"کچھ چاہیے آپ کو بچے؟" وہ سلام پھیر چکی تھیں۔ اب اس کی طرف دیکھتی پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں۔" ایک لفظ میں جواب دیا۔ وہ کسی الجھن کا شکار لگ رہی تھی۔

"یہاں آئیں زحل۔" وہ کہہ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا چکی تھیں۔ وہ دروازہ بند کرتی چلتی ہوئی ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"نماز کیوں پڑھتے ہیں؟"

اس نے سوال کیا تو دعا مانگتے مسز ابراہیم کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"یہی سوال اگر میں آپ سے پوچھوں تو؟" انہوں نے دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"شاید خوف سے؟" اس نے جھٹ سے کہا۔

"پر وہ تو غفور ہے، رحیم ہے اور در گزر فرماتا ہے پھر خوف کیسا؟"

وہ اب جائے نماز تہہ کر کے اس کی مخصوص جگہ پر رکھ رہی تھی۔

"تو پھر جنت کے لیے؟" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"شکر ادا کرنے کے لیے۔۔۔؟" وہ پھر بولی۔

"ہاں فرض ہے؟" وہ عینک کو صحیح کرتے پرجوش ہو کر بولی۔

"نماز فرض سمجھ کر نہیں محبت سے پڑھنی چاہیے۔ زمین پر سر ٹکرانے کو نماز نہیں کہا جاتا۔" وہ اب قرآن پاک کو اٹھا کر ادب سے چوم رہی تھیں۔

"اللہ پاک ہم سے کلام چاہتا ہے۔ آپ اسی کو دوست مانیں اور اسی سے مشورہ کریں۔ اسی کو داستان سنائیں جیسے اپنے دوست کو سناتے ہیں۔ اس سے دل کی بے قراری کم ہو گی۔۔۔ پھر نماز میں سکون ملے گا۔"

زحل مسکرا رہی تھی۔اس کو وہ پتا چل چکا تھا جو وہ جاننا چاہتی تھی۔اس کو مسکراتا دیکھ مسز ابراھیم کے لبوں پر بھی شفقت بھری مسکان پھیل گئی۔

****

شام کا ہلکا سایہ آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔سورج بادلوں کے درمیان چھپ گیا تھا۔کاٹیج کا چھوٹا سا گارڈن چھاؤں میں تھا۔لکڑی کی باڑ کے ساتھ رنگ برنگے پھولوں کی کیاری لگی ہوئی تھی،جو ہوا کی تال پر مدھم سی رفتار میں رقص کر رہے تھے۔نیلے آسمان پر سفید بادل بکھرے ہوئے تھے۔اطراف میں سبزہ مسکرا رہا تھا اور ہوا کی ہلکی ہلکی لہر اُس کے رخساروں کو وقفے وقفے سے چھو رہی تھی۔در نجف شادی کے ایک ماہ بعد آج پہلی دفع یہاں آئی تھی۔اسے اس جگہ کی تازگی کا احساس روح تک اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

گل نین ہاتھ میں کافی کا مگ تھامے خاموشی سے اس کے ساتھ آکر کھڑی ہو گئی۔

"یہ سٹار گریز کس نے لگائے ہیں؟" درے نے اطراف میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جہاں باقی پھولوں کے مقابلے سٹار گریز تعداد میں زیادہ نظر آرہے تھے۔

"بھائی جاناں نے۔" وہ وقفے وقفے سے کافی کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

"کیا ان کو سٹار گریز پسند ہیں؟"

اس کا رخ گل نین کی جانب تھا۔ اس کے پوچھنے پر گل نین نے سر نفی میں ہلایا۔

"بھائی جاناں کو تو ڈیفوڈلز پسند ہیں۔ مجھے بس اتنا پتا ہے کہ یہ سٹار گریز ان کے کسی عزیز کو پسند ہیں۔"

گل نین نے اب کی بار رُخ درے کی جانب پھیرا۔ وہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔

****

(مجھے۔۔۔کچھ نہیں۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔نہیں۔۔جاؤں گی۔یقین۔۔۔۔۔کریں میری۔۔۔۔۔۔بات سنیں۔۔۔وہ اس ساتھ ساتھ کھنچتی، روتے ہوئے

بتانے لگی۔ لیکن اسے اس کی کسی بات کی پروانہ تھی۔وہ نہیں سن رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہہ رہی ہے۔یاس نے بیسمنٹ میں آکر ایک دروازہ کھولا اور اس کو اندر ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔

"یہ تمہاری زندگی کی آخری غلطی ہے۔اس کی بعد تم مرتے دم تک ایسا کچھ کرنے کے بارے میں سوچو گی بھی نہیں۔" وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

"پلیز مجھے یہاں سے باہر نکالیں۔کیوں قید کیا ہے آپ نے مجھے۔ باہر نکالیں مجھے یہاں سے۔۔۔۔آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

وہ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹاتی چلا رہی تھی۔

"یہاں بہت اندھیرا ہے۔پلیز مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

وہ بے بسی سے روتے ہوئے زور سے چلانے لگی۔

"دروازہ کھولو۔پلیز کوئی دروازہ کھولو۔"

کمرہ بہت چھوٹا سا تھا۔اس کو سانس لینے میں دشواری ہونے لگی۔وہ منہ کھولے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ لیکن بند دروازے کے باہر کھڑے شیطان پر اس کی کسی چیخ و پکار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔اس کی سانسیں بند ہو رہی تھیں۔اس کا سارا جسم کانپنے لگا تھا۔وہ کب سے دروازہ کھٹکھٹاتی چلائے جا رہی تھی اور پھر آہستہ آہستہ آواز آنا بند ہو گئی۔

اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو وہ سامنے ہوش و حواس سے بیگانا پڑی ہوئی تھی۔

"مجھے یقین ہے جان یہ تمہاری آخری غلطی ہے۔اور یقین مانو اس سے زیادہ برا میں تمہارے ساتھ کر بھی نہیں سکتا۔"

"تمہیں تکلیف پہنچا کر خوشی نہیں ملتی مجھے۔"

وہ اس کے بے جان وجود سے دیوانہ وار کہہ رہا تھا۔

وہ اس کو آہستہ سے باہوں میں اٹھا کر بیڈ روم میں لے گیا۔بیڈ پر لٹاتے اس نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا۔

اس کے وجود میں کوئی حرکت نہ پاکر وہ چلتا ہوا الماری کی جانب گیا اور وہاں سے بیلٹ نکال کر خود کو بے دردی سے مارنے لگا۔)

در نجف ایک دم سے نیند سے چیختی اٹھ کر بیٹھ گئی۔اس کا سر چکرا رہا تھا، تنفس بھاری ہو رہا تھا۔ماضی کا خوف حواسوں پر سوار تھا۔وہ بستر سے اٹھتی الماری کے پٹ کھولتی کچھ تلاش کرنے لگی۔وہ دراز کی جانب بڑھی اور اسی پل عائش کمرے میں داخل ہوا۔وہ اسے نظر انداز کرتی اپنے کام میں مشغول رہی۔

"میرا سر۔"اس کی آواز میں تکلیف تھی۔

"درد کر رہا ہے؟"عائش نے تحمل سے پوچھا۔

"میری دوائی۔" وہ درد سے چلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیسی دوائی؟"اس کی آواز میں حیرانگی تھی۔

"پینک اٹیک کے بعد میں۔۔۔ابھی۔۔۔۔دو۔۔۔پلیز۔۔۔"

وہ خاموش رہا۔لفظوں نے پہلے عائش ابراہیم خان کا ساتھ چھوڑا تھا۔

"لیٹ جائیں درِ آپ کو وہ دوا نہیں ملے گی۔۔"

وہ اس کا ہاتھ نرمی سے تھامتا بیڈ تک لے گیا۔

"نہیں نہیں مجھے چاہیے۔" وہ اسے دھکیلتی چلائی۔

"میرا دماغ پھٹ جائے گا مجھے دوائی چاہیے۔" وہ روتی ہوئی اب چلانے لگی تھی۔

عائش کو اپنے سینے میں درد کی لہر اٹھتی محسوس ہوئی۔اس نے درے کے چہرے کی جانب دیکھا جس کی رنگت زرد تھی۔انکھوں کے بھاری پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔ایک سرد آہ بھرتے اس نے درے کے ٹھنڈے ہاتھ پکڑے اور بیڈ پر لیٹا کر پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔اپنے ہاتھ کو اس کے سر پر رکھتا وہ دھیرے دھیرے دبانے لگا تو درے کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔درے اب خواب خرگوش میں تھی۔ہر چیز سے بے نیاز مگر عائش کی نیندیں تو اُڑ گئی تھیں۔ایک کروٹ پر لیٹے لیٹے اس کی گردن اور بازو اکڑ گئے تھے۔اس نے آہستگی سے کروٹ بدلی۔ذہن میں کئی اٹھتے سوالوں کو لئے وہ آنکھیں موند گیا۔

****

صبح کا اجالا ہر سو پھیل چکا تھا۔ ٹھنڈی سرد ہوائیں پتوں کو ایک ایک کر کے سبز احاطے پر گراتی جا رہی تھیں۔ اپنے شاندار بیڈ روم کی دیوار گیر کھڑکیوں پر سے اس نے پردے کھینچ کر ہٹا دیے تھے۔ گلاس ڈور سلائیڈ کر کے، بالکنی پر جھک کر اس نے سرسبز لان کو دیکھا۔ نگاہیں دیواروں پر جھکے درختوں پر ٹھہر گئیں۔

موسم اچھا ہو رہا تھا۔ کھلی فضا میں گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ نظر عائش ابراہیم خان پر جا ٹھہری۔ وہ مسز ابراھیم کے ساتھ لان میں موجود تھا۔ ساتھ ہی گل نین بیٹھی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ زحل اس کو خفگی سے جھنجوڑ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

ایک دم سے کل رات کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح چلنے لگا۔ وہ کھڑکیوں کے پردے برابر کر کے چلتی ہوئی وارڈروب کی جانب آئی۔

اس نے وارڈروب کھول کر اپنے تمام فینسی رنگ برنگے ملبوسات کا جائزہ لیا۔

پھر سفید رنگ کا گولڈن کام والا نفیس سا جوڑا نکالا۔ پھر اس نے نچلا خانہ کھول

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کر جیولری باکس نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا۔ایک ہاتھ میں تھاما سوٹ لے کر وہ واش روم میں جا بند ہوئی۔اب اس نے آئینے کے سامنے رک کر اپنے سراپے کا از سر نو جائزہ لیا۔پھر کھلے بالوں کو کیچر میں قید کر دیا۔

کچھ گھنگریالی لٹیں دودھیا چہرے کے اطراف میں تھیں۔

کاجل سے لبریز بڑی بڑی آنکھیں فریش نظر آنے لگیں۔لائٹ سا میک اپ کیے دوپٹہ سلیقے سے سیٹ کر کے سرخ لبوں پر ایک دل فریب سی مسکراہٹ سجا کر وہ نیچے لان میں آ گئی۔

"السلام علیکم۔"

مشترکہ سلام کر کے وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ مسز ابراھیم کے پاس آ گئی تھی۔ انہیں سلام کیا،انہوں نے بہت پیار سے اس کی پیشانی کا بوسہ بھی لیا۔پھر انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے برابر میں ہی بٹھا لیا تھا۔

عائش اس کے عین سامنے جھکے سر کے ساتھ اپنے موبائل کی اسکرین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔

"بھابھی آپ کتنی پیاری لگ رہی ہیں، ماشاللہ!"

عائش نے بے ساختہ نگاہ اٹھائی تھی۔

دل کی دھڑکن پھسلتی محسوس ہوئی۔ سانس تو پہلے سے ہی رکا ہوا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس طرح، وہ اس کے سامنے بیٹھا ہوگا۔ وہ کل رات والے واقعے پر شرمندہ تھی۔

"بھابھی ناشتہ شروع کریں۔"

ناشتا شروع کر دیا گیا۔ دیسی ناشتے کے لوازمات سے، ٹیبل سے مختلف ڈشز اٹھا اٹھا کر گل نین اس کے سامنے رکھنے لگی۔

"ماں جی میں سوچ رہا تھا کہ ہم سب ایبٹ آباد پکنک پر چلیں۔"

عائش نے باتوں کے دوران اتنا اچانک پوچھا کہ درِ کے ناشتہ کھاتے ہاتھ ایک دم رک گئے۔ درے نے سر اٹھایا تو نگاہیں عائش سے دوچار ہوئیں۔

"بالکل بچہ ضرور جانا چاہیے، لیکن آپ اور درے نجف چلے جائیں۔"

عائش نے اپنی ماں کے ہنستے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔ درے کی سانس رکی۔

"نہیں ماں جی سب چلتے ہیں ذرا مائنڈ فریش ہو جائیں گا۔"

"ارے وہاں بہت مزہ آئے گا۔" زحل نے چہکتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کوئی مزہ نہیں آئے گا، چپ کر کے گھر میں بیٹھو۔ نیکسٹ ویک تمہارے ایگزامز ہیں۔" گل نین نے اس کو اطلاع دی۔

"نہیں نہیں میں بھی جاؤں گی۔" زحل باضد ہوئی۔

"ٹھیک ہے پھر گل نین، میں اور درِ ہی جائیں گے۔"

عائش نے اپنی مسکراہٹ روکتے ہوئے، زحل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بچہ جاؤ آپ لوگ۔ زحل کے امتحان بھی ضروری ہیں۔"

"اپ لوگ ہمیشہ میرے ساتھ سوتیلوں والا سلوک کرتے ہیں۔"

زحل روہانسی ہوتے پیر پٹخ کر وہاں سے چلی گئی۔

"کل صبح ہم فجر کے بعد نکلیں گے۔"

کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے گل نین اور درِ کی جانب باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

درِ نجف کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

****

"آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟" وہ بیڈ پر نیم دراز لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جب ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوئی۔

عائش نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"آپ کے لئے۔" وہ دوبارہ لیپ ٹاپ پر جھک گیا۔

"مگر مجھے باہر کی دنیا پسند نہیں ہے۔ میں کہیں جانا نہیں چاہتی۔" اس کے لب کپکپا اٹھے۔

"آپ کون ہیں؟ آپ وہ درِ نجف نہیں ہیں جسے میں جانتا تھا۔ وہ درے تو ایسی تھی کہ کوئی بھی اس سے بات کر کے مسکرائے بنا رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ درِ ایسی ہے کہ خاموش رہتی ہے سارا سارا دن۔ وہ درِ نجف پاکستان کا ہر کونا دیکھنا چاہتی تھی۔ گھومنا پھرنا ان کی پہلی ترجیح تھی۔ یہ درِ ہے کہ کمرے سے باہر نکلنا نہیں چاہتی۔"

اس کی آواز میں دکھ تھا۔درِ کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں۔ مگر اس نے عائش سے مزید کچھ نہ کہا تھا۔

****

خان ہاؤس کی طرف سے جانے والی گاڑی میں اس وقت خاموشی تھی۔ مسلسل دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد اب عائش کو خاموشی سے الجھن سی ہو رہی تھی۔اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اپنے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی درے نجف کو دیکھا جو کھڑکی سے ٹیک لگائے سو رہی تھی۔فرنٹ مرر سے اس نے اپنی باتونی بہن کی جانب دیکھا جو کتاب پر سر جھکائے نیند کی وادیوں میں تھی۔وہ ایک سرد آہ بھرتا نظریں سڑک پر جمائے ڈرائیونگ کرنے لگا۔آخر کار چھ گھنٹے کا سفر طے کر کے وہ پاکستان کے شمال میں واقع نہایت خوبصورت شہر ایبٹ آباد میں موجود تھے۔

فارم ہاؤس میں داخل ہوتے ہی درِ کی آنکھوں میں ستائش ابھری تھی۔دو کمروں اور اوپن کچن کے علاوہ ایک درمیانہ ٹی وی لاؤنج جس کر درمیان میں

شیشے کی بڑی سے کھڑکی تھی۔لاؤنج کے درمیان کھڑی وہ ہر کونے میں نظریں دوڑا رہی تھی۔

"واہ بھائی جاناں یہ تو پہلے سے بھی زیادہ پیارا ہو گیا ہے۔"

پنجوں کے بل باہیں کھول کر گول گول گھومتی گل نین کہہ رہی تھی۔

"ہمیں آرام کرنا چاہیے۔رات کو پھوپھو جاناں کی طرف ہماری دعوت ہے۔"

"بھائی جاناں ہم یہاں آرام کرنے تو نہیں آئے تھے۔"

وہاں سے بھی جواب فوراً سے آیا تھا۔وہ دھرم سے صوفے پر بیٹھی تھی۔

"لیکن میں تھک گیا ہوں مجھے آرام کرنا ہے۔آپ لوگوں کو فارم ہاؤس دیکھنا ہے تو دیکھ لیں،ویسے بھی سارے راستے آپ دونوں سوتی ہی آئی ہیں۔"

عائش نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے میٹھا میٹھا طنز کیا تھا۔اب گل نین اور درِ نجف مسکرا رہی تھیں۔

****

صبح طلوع ہو رہی تھی۔ نیلاہٹ سنہری روشنی سے دودھ کی طرح سفید اور اطراف کے پہاڑ چمک اٹھے تھے۔

پہاڑوں کی بلندیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔

"آپ تیار ہیں چلیں؟"

دِرِ نے گہرے نیلے رنگ کی گھٹنوں تک آتی قمیض کے ہم رنگ کیپری اور دوپٹہ زیب تن کر رکھا تھا۔ بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھ رکھا تھا اور چہرے پر ہلکا میک اپ کیا تھا۔ وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ عائش چند لمحے مزید اس کو دیکھتا رہا، پھر پلٹ گیا۔ گاڑی ایک بہت خوبصورت گھر کے سامنے آکر رکی تھی۔

www.novelsclubb.com

بلب جل اٹھے، پھولوں کی تازہ خوشبو سارے گھر میں پھیل گئی تھی۔ جب ان تینوں نے نیلم بیگم کے گھر میں قدم رکھے تھے تو مسافرہ نے نیلم بیگم اور جبران کے ساتھ مل کر ان کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا تھا۔

وہ سب ڈائننگ ٹیبل کے ارد گرد بیٹھے تھے۔دیسی اور بدیسی کھانے کے لوازمات سے بھری ٹیبل سے مختلف ڈشز اٹھا اٹھا کر نیلم بیگم ان کے سامنے رکھنے لگیں۔

جیسے جیسے شام ڈھلتی جا رہی تھی سردی بڑھتی جا رہی تھی۔کھانے کے بعد سب نے چائے کی فرمائش کی تو مسافرہ کچن میں آگئی تھی۔کچھ دیر بعد درِ بھی اس کے پیچھے کچن میں آگئی۔مسافرہ چائے کا پانی چڑھا رہی تھی جب درِ نے بغور اسے دیکھا تھا۔

وہ لمبے بالوں والی،اونچے قد و قامت، باریک پٹھانی نقوش والی لڑکی اسے متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"آئی ایم سوری۔"

درِ نجف کو لگا تھا اسے وہ تین لفظ کہنے کی اشد ضرورت ہے۔

"ارے!آپ کو کیوں ضرورت پیش آئی معذرت کی۔"

www.novelsclubb.com

کھولتے پانی میں پتی کا رنگ پھیل گیا تھا اور پتی کی مخصوص مہک نتھوں تک جا رہی تھی۔اس نے در نجف کے دونوں ہاتھ تھامے۔

"مجھے پرائے گھر نیند نہیں آتی تو پرایا دل کیسے راس آتا؟ درِ میں نے عائش کی نظروں میں آپ کے لیے وہ محبت و عقیدت دیکھی ہے جو میں اپنے لیے دیکھنا چاہتی تھی۔اس لئے ماضی کی باتیں کنویں میں پھینکیں اور سب بھول جائیں۔"

دروازے کے باہر کھڑی نیلم بیگم پتھر کی ہو گئی تھیں۔جبران گل نین اور عائش کے قہقہے لانچ میں گونج رہے تھے۔دعوت بہت اچھی رہی تھی۔وہ جب جانے کے لیے نکلنے لگے تھے تو عائش نے جبران سے کہا۔

"صبح تمہیں میرے اٹھنے سے پہلے فارم ہاؤس میں ہونا چاہیے۔"

"جو حکم۔"

جبران نے تابعداری میں سر جھکا کر ادب سے کہا۔وہ لوگ اب الوداعی کلمات کہتے فارم ہاؤس کی جانب روانہ ہو گئے۔

****

**

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اس کی سردی کی شدت سے آنکھ کھل گئی تھی۔ کہنی کے بل اوپر ہوتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر لیمپ آن کر دیا تھا۔ ٹیبل کلاک پر وقت دیکھا جو رات کے ڈھائی بجا رہی تھی۔

اس نے گردن موڑ کر اپنے بائیں جانب سوئی درِ نجف کو دیکھا۔اس کے سلکی نرم بال اس کے ماتھے سے پھسل کر اس کی آنکھوں اور چہرے کو چوم رہے تھے۔عائش نے انہیں اس کے چہرے سے ہٹانے کی کوشش کی تو وہ کسمسائی۔وہ بس درے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا، کتنے لمحے اس نے بنا پلکیں جھپکائے گزار دیے۔اُسے اپنی دھڑکن کی تیزی میں واضح فرق محسوس ہوا تھا۔وہ آہستہ سے اس کی پیشانی کی جانب جھکنے لگا کہ اگلے ہی لمحے درِ نے پٹ سے آنکھیں کھول لیں۔

"وہ میں پانی کا جگ اٹھا رہا تھا۔"

عائش نے پیچھے ہوتے ہوئے وضاحت پیش کی۔اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی جرات نہیں کی تھی اور درِ نجف برف کا مجسمہ بنی لیٹی ہوئی تھی۔وہ اس وقت اٹھ کر لانچ میں آگیا۔

"کیا سوچ رہی ہو گی وہ تیرے بارے میں خان۔" عائش بالوں میں ہاتھ پھیرتا خود کو کمپوز کرتا بڑبڑایا تھا۔

"ایک کپ میرے لئے بھی۔"

جھنجھلاہٹ کے عالم میں وہ اپنے لیے چائے بنا رہی تھی، جب عقب میں عائش کی آواز اچانک سے گونجی تھی۔

گل نین نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"خیریت ہے بھائی جاناں آپ اس وقت یہاں؟ بھابھی نے کمرے سے نکال تو نہیں دیا؟"

"میری معصوم بیوی پہ الزام لگا رہی ہو۔"

وہ کاؤنٹر ٹیبل کے ساتھ پشت ٹکائے شرارت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اللہ اللہ!"

گل نین نے ہنستے ہوئے بھاپ اڑاتی چائے کا مگ کاؤنٹر پر اس کے سامنے رکھ دیا۔

****

صبح کے سات بج رہے تھے۔ گل نین اس وقت کچن میں موجود کھڑی تھی۔ کاؤنٹر ٹیبل کے عین پاس جبران کھڑا اس کو پراٹھا بناتا دیکھ رہا تھا۔ وہ ساتھ ساتھ کسی ایکسپرٹ شیف کی طرح ریسپی بتا رہی تھی۔

"انگریڈینٹس،

بٹر، ریڈ پیپر، سالٹ اور دھنیا۔

مکس آل انگریڈینٹس ویل۔" گل نین نے کہا۔

"اب اسکو پراٹھے میں لگائیں۔ دنیا کی طرح گول کریں، اپنے دل کی طرح بڑا کریں۔ رشتہ داروں کی اوقات جیسا پتلا ہو سکے تو ٹھیک ورنہ خیر ہے۔۔ اب دل کھول کے دھنیا ڈال دیں۔"

www.novelsclubb.com

وہ پراٹھے کو بیلتی ہوئی زبان کے جوہر دکھا رہی تھی۔

"مہربانی فرما کر ٹوٹل کیلوریز بھی بتا دیں، شیف صاحبہ!"

"ارے بھاڑ میں جائیں کیلوریز۔" اس نے پراٹھے کو پلٹتے ہوئے کہا۔

"یہ ہو گیا میرا فیورٹ پراٹھا تیار۔ اسے لے کر لانچ میں جاؤ میں دہی لے کر آتی ہوں۔ پھر اس کے ساتھ نوش فرمائیں گے۔"

جبران سر ہلاتا کچن سے باہر نکل گیا۔

****

سجی کوٹ آبشار،

جھیل سر دو شاداب مخمل کی چادر میں گھری ہوئی تھی۔ پہاڑوں سے گرتا ہوا پانی، اور چاروں طرف خوبصورت مناظر اس کے حسن کو دوگنا کر رہے تھے۔

جب یہ بادلوں سے ڈھک جاتی تھی تو اور بھی خوبصورت منظر پیش کرتی تھی۔

بہتے پانی کی آواز اور پرندوں کی چہچہاہٹ، یہ سب کسی طلسمی کہانی سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

درِ نجف خالی ذہن کی کیفیت میں کھڑی پہاڑوں سے نیچے بہتی آبشار کو دیکھتی رہی۔ سیاہوں کی خاصی گہما گہمی تھی۔ درِ نجف نے سفید ٹراوزر کے ساتھ براؤن کڑھائی والا کرتا اور بڑا سا دوپٹہ لے رکھا تھا۔ بالوں کو اس نے کیچر میں باندھ رکھا تھا۔

"یہ سب کتنا سکون دہ ہے۔" سرمئی پتھروں پر بیٹھی درے نے سبز پانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"واقعی۔"

سورج کی شعائیں براہراست درِ کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، عائش اس کی دائیں طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔ دھوپ کا راستہ رک گیا تھا۔ اس کے کہنے پر چونک کر دائیں جانب دیکھا۔

اس نے سیاہ جینز، کریم شرٹ، سفید لونگ جیکٹ، گردن میں سرخ مفلر اور پاؤں میں جوگرز پہن رکھے تھے۔ وہ اسکی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔

دور کھڑی گل نین نے یہ حسین منظر موبائل کے کیمرے میں قید کیا تھا۔

"اگر کسی سے اپنے دل کی بات کہنی ہو تو کیسے کہیں گے؟"

جبران نے سر جھکا لیا۔اپنے پاؤں تلے جھاگ اڑاتا نیلا پانی نظر آرہا تھا۔گل نین اس کی بات پر اسے حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

"تمہیں اب کس سے محبت ہو گئی ہے۔"اس نے اب پر زور دیتے ہوئے کہا۔

اس کی بات پر جبران نے منہ بسورا۔

"ہے کوئی۔"

"اسکی آنکھوں کا رنگ کیا ہے۔"

پہاڑوں کی طرف سے نیچے شور مچاتی سبز و نیلی آبشار بہہ رہی تھی۔

جبران نے مڑ کر اسے دیکھا پھر اسکے ساتھ چل دیا۔

"معلوم نہیں،جب جب میں ان آنکھوں میں دیکھتا ہوں اپنی یاداشت کھو دیتا ہوں۔"

"اچھا پھر واپس کیسے آتی ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے سرمئی رنگ کے پتھروں پر بیٹھ گئی۔

جبران بھی ساتھ بیٹھ گیا۔

"کون؟"

"یاداشت۔" وہ بچوں کی طرح پانی میں اپنے پاؤں مار رہی تھی۔

جبران نے مسکرا کر سر نفی میں ہلا دیا۔

"تمہاری آنکھیں بھی تو اتنی حسین ہیں وہ کیا کہتی ہے ان کے بارے میں؟"

"تمھارے خیال سے وہ کیا کہتی ہو گی؟"

"وہ کہتی ہو گی کہ۔۔۔۔" وہ رک گئی اور گردن پھیر کر اس کو دیکھا۔ نیلی آنکھیں بھوری آنکھوں میں قید ہوئی تھیں۔

"کہ؟" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"دنیاو جہان کی گہرائی ان کی نیلاہٹ میں بسی ہوئی ہے۔" وہ سرگوشی میں بولی۔

"اچھا۔" وہ ہولے سے ہنس دیا۔

گل نین سٹپٹا گئی۔ وہ جواب دیے بنا گردن پھیر کر پانی کو دیکھنے لگی۔

www.novelsclubb.com

وہ لوگ خاصی دیر آبشار پر بیٹھے رہے، یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کو تھا۔ غرض آبشار پر ہر وقت رونق لگی رہتی تھی۔ شام میں جب وہ وہاں سے روانہ ہوئے تو گل نین اتنی تھک چکی تھی کہ گاڑی میں بیٹھتے ہی سو گئی۔ در نجف پہلے دن کی نسبت آج فرش لگ رہی۔

****

موسم طوفانی تھا۔ وقفے وقفے سے بارش بھی دو تین بار برس چکی تھی۔ در نجف بالکنی میں کھڑی برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آسمان سے گرتے قطروں پر نگاہ جمائے کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں درے؟"

اس کو اپنی پشت سے عائش کی آواز آئی۔ وہ بغیر پلٹے یوں ہی کھڑی رہی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ چلا گیا ہے۔ سر جھکائے وہ نم آنکھوں سے اپنی خالی ہتھیلیوں کو دیکھنے لگی تھی۔ نگاہیں لکیروں سے الجھی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس کو اپنے کندھے پر لمس محسوس ہوا، خوف سے وہ مڑی تھی۔ عائش مسکرایا۔ اس نے درے کے

شانوں پر کالی اونی شال اچھے سے ڈالی۔ کتنی ہی دیر تک وہ بغیر پلکیں جھپکے اسے دیکھتی رہی تھی۔ ذہن کی اسکرین پر ماضی کی فلم چلنے لگی کچھ دھندلے مناظر واضح ہونے لگے تھے۔

)"کیوں ڈر لگ رہا تھا بارش سے، کیا کرتی ہے تمہیں یہ بارش؟ آج بتاؤ مجھے۔" اس نے روتی ہوئی درے کو بازو سے کھینچ کر زمین سے اٹھایا۔

"نو۔۔۔لک۔۔کیا کر رہے ہیں چھوڑیں مجھے۔"

وہ اس کا بازو پکڑتا ہوا اسے کمرے سے باہر لے جانے لگا۔ تبھی وہ رونے کے ساتھ خوف سے ہکلاتی ہوئی بولی۔

"نہیں مجھے معاف کر دیں پلیز ایسا مت کریں میرے ساتھ۔"

اس نے چھت پر جا کر اندر سے دروازہ بند کیا۔ وہ روتی ہوئی دروازہ زور سے بجاتی ہوئی بولی۔

وہ بارش کے پانی سے بچتی ہوئی دیوار کے ساتھ چپکی اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے میں مصروف تھی۔۔دروازہ کھولنے کی آواز سے دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

"پلیز مجھے اپنے کمرے میں جانا ہے میں اب نہیں ڈروں کی بارش سے۔"

وہ ابھی بھی خوفزدہ ہو کر روتی ہوئی اس کے دونوں بازو پکڑے اس سے کہنے لگی۔

"آپ تو مجھ سے محبت کرتے ہیں ناں، تو پھر کیوں اسطرح کر رہے ہیں؟"

وہ روتی ہوئی اس کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔اچانک اس کا موبائل بجا، بغیر جواب دیے وہ اس کو چھوڑ کر جانے لگا۔پھر کچھ یاد آنے پر رکا۔

"محبت کرتا ہوں اس لیے تو تمہارا ڈر ختم کرنا چاہتا ہوں۔جب تک میں گھر نہیں آجاتا تب تک تمھیں یہاں سے ہلنے کی اجازت نہیں ہے۔"

وہ بے رحم دیو اس معصوم پری کو اس برستی بارش میں قید کر کے چلا گیا۔وہ ساری رات سردی کی بارش میں بے جان وجود لئے تڑپتی سسکتی رہی۔)

ماضی کی بھیانک یاد سے واپس حال میں لوٹی تو اس نے آنسوؤں سے تر آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

"کاش عائش ابراھیم خان تمھارے نصیب میں ہوتا۔" بے ساختہ اس کے دل نے کہا تھا۔ بارش ہنوز برس رہی تھی۔

****

وہ آتش دان کے سامنے ایزی صوفہ پر ٹانگیں سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ شال سے کچھ نظر آ رہا تھا تو وہ اس کی پر کشش آنکھیں تھیں، جن کی پلکوں پر نمی ٹھہری تھی۔

جبران سٹنگ روم میں داخل ہوا تو گل نین نے اسے دیکھا۔ کافی کا بھاپ اڑاتا مگ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ کر وہ سامنے سنگل صوفے پر براجمان ہو گیا۔

"کم بچوں کی طرح پانی کی میں اچھلنا تھا نا۔" اس کا انداز طنزیہ تھا۔ گھونٹ گھونٹ کافی اپنے اندر اتارتی گل نین چھینکیں مارتی بے حال ہو رہی تھی۔ جبران کی نگاہیں اس کے چہرے پر ٹھہری رہیں۔

"ایک کپ کافی کیا بنانی پڑ گئی ہے، نند کی طرح طعنے دے رہے ہو۔"

وہ چھینکوں کے درمیان بامشکل بولی۔اس نے جھنجھلا کر مگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

چھینکوں کا نارکنے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

****

شملہ ہلز،

کل رات کی بارش کی وجہ سے آج سورج کہیں سے بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔مگر رات کی اتنی دیر تک، درے نجف ہاتھ باندھے اسی طرح، ساکت پتلیوں سے پلکیں جھپکے بغیر سامنے دیکھتی رہی۔چاروں اطراف میں خوبصورت پہاڑ نظر آرہے تھے۔

صاف شفاف ہوا میں سانس لے کر اس کی روح کو تسکین مل رہی تھی۔درے عائش سے آگے تھی۔وہ ذرا سا پیچھے رہ گیا تھا۔فون کال کی وجہ سے۔گل نین اور جبران کافی پیچھے تھے۔چلتے چلتے ایک دم اس کے پاؤں کے نیچے پتھر آیا جس

کی وجہ سے وہ منہ کے بل نیچے گری۔چند فاصلے کی دوری پر کھڑا عائش اسے گرتا دیکھ اس کی جانب دوڑا۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں؟"

"جی۔"

اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو عائش نے ہاتھ بڑھا کر اس کی اٹھنے میں مدد کی۔ مگر اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔

عائش نے بے ساختہ ارد گرد متلاشی نگاہیں دوڑائیں۔ٹولیوں کی صورت میں ٹورسٹ دور دور تک گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے ایک جھٹکے سے درِ کو بازوؤں میں بھرا اور چند قدم کے فاصلے پر ایک درخت کے نیچے لکڑی کے بنے بینچ پر بیٹھا دیا۔درِ کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔چہرہ ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔عائش کے لب مسکرائے تھے۔

"اپنا جو گر اتار کر مجھے اپنا پاؤں دکھائیں۔" وہ جھک کر زمین پر بیٹھ گیا تو وہ تحکم سے بولی۔

"میرا پاؤں ٹھیک ہے۔" اس نے فوراً اپنا دایاں پاؤں دور ہٹایا۔

"میں کہہ رہی ہوں کہ میرا پاؤں ٹھیک۔" اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر عائش نے اس کے جوگر اتار دیے۔ اس کے پاؤں کا انگوٹھا زخمی تھا۔ ناخن ٹوٹ چکا تھا۔ خون جما ہوا تھا۔

"تکلیف تو نہیں ہو رہی۔"

"مجھے یہ چھوٹی چھوٹی تکالیف اب محسوس نہیں ہوتیں۔"

مختصر سا جواب دے کر وہ نظروں کا رخ پھیر گئی۔

"سوری مگر آپ کے رومانس میں ہم مخل تو نہیں ہوئے نا؟"

گل نین اچانک ہی ان کے سامنے آئی تھی۔ درّے نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

"ہاں، بالکل۔" عائش نے اسے برا سا منہ بنا کر دیکھا۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ گھبرا کر وضاحت دینے والے انداز میں کہہ رہی تھی، مگر گل نین نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ وہ درخت کے پیچھے کھڑی گلابی رخساروں والے بچے کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ چند لمحے درِ عائش کو

www.novelsclubb.com

دیکھتی رہی، جو اس گول مٹول بچی کے رخسار چوم رہا تھا۔گل نین اور جبران

پاس کھڑے بحث کر رہے تھے۔

"کیا یہ مرد اعتبار کے قابل ہے؟"اس کے دل سے آواز آئی۔

****

وہ کمرے میں آئی تو عائش موجود نہیں تھا۔اس نے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل کے اوپر سے اپنا موبائل اٹھایا اور نیچے آگئی۔لانچ کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے موبائل آن کیا۔مسڈ کالز کے کافی نوٹیفیکیشن تھے۔غزل شبیر کی طرف سے واٹس ایپ پر بے شمار ان دیکھے میسجز منتظر تھے،امی کے میسجز بھی۔گل نین کی طرف سے بھیجی گئی تصویر،اس نے غزل شبیر کی چیٹ کھولی۔پھر اس کے مسیجز کا جواب دیا۔اسی وقت اسکی کال آگئی۔

"درے! تم ٹھیک ہو؟"اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"ہاں وہ میں ایبٹ آباد آئی ہوں۔"کھنکھار کر کہا۔

"ہنی مون پر؟" دوسری طرف سے اس نے شرارت سے کہا۔

"پتا نہیں۔" اس نے شروع سے لے کر آخر تک اس کو سب بتادیا۔

"مجھے لگتا ہے کہ تمھیں عائش کو سب بتا دینا چاہیے۔ دِر کب تک ایسے رہو گی؟"

"ہممم۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

****

گھڑی رات کے دس بجا رہی تھی۔ درے کا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ وہ بے دم سی بیڈ پہ لیٹی تھی۔ آنکھیں کھلی تھیں۔ چھت کو تکتی بے تاثر! وہ کب سے اس پوزیشن میں تھی؟

عائش دروازہ کھول کر اندر کی جانب آیا۔ اس نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا تو سارا کمرہ روشنی میں نہا گیا۔ عائش کافی دیر سے اسے ہی دیکھ رہا تھا، خاموشی سے آگے آیا۔ وہ ساکت ہوئی لیٹی رہی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

وہ قریب چلا آیا۔وہ گلا کھنکھارتے ہوئے اس کے قریب آ بیٹھا۔موبائل سامنے رکھی میز پہ رکھا۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں؟" اس نے آغاز کیا۔

جواب ندارد۔۔۔۔۔۔

"ایسی کیا بات ہے جس کو آپ نے اس قدر خود پر سوار کر لیا ہے درے؟"

وہ اٹھی اور بالکنی کا دروازہ کھول کر بالکنی میں آگئی۔وہ دیوار سے لگتی آہستگی سے نیچے بیٹھ گئی۔سرد فرش نے ریڑھ کی ہڈی تک سن کر دی۔آنکھوں سے اب کے آنسو نکلے تھے۔ایک دو تین اور پھر وہ منہ پر ہاتھ رکھے بری طرح سسک رہی تھی۔دل پھٹ رہا تھا۔عائش اس کے پیچھے نہیں گیا تھا۔آدھے گھنٹے بعد وہ واپس اندر آئی۔عائش بیڈ پر بیٹھا موبائل استعمال کر رہا تھا۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس تک آئی اور آہستگی سے اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ایک پل کو عائش ابراہیم کی سانس تھم گئی۔

"سب خیریت ہے؟" عائش اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

”آپ نے کہا تھا نا کہ میں پہلے والی درِ نجف نہیں لگتی۔۔۔آپ نے ٹھیک کہا تھا۔“

اس کی آواز میں کرب تھا۔کہتے کہتے وہ حال سے منقطع ہونے لگی۔اس کے سامنے ماضی کے مناظر کسی فلم کی طرح رواں تھے۔

(بائیس سالہ درِ نجف عروسی لباس میں آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا عکس دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

وہ ڈیپ ریڈ کلر کا کام دار بھاری لہنگا پہنے گردن میں بھاری زیورات پہنے ہوئے تھی۔مہندی سے سجے خوبصورت ہاتھوں میں ڈائمنڈز کے کنگن کے ساتھ سرخ رنگ کی چوڑیاں پہنے ہوئے تھی۔مخروطی انگلیوں میں انگوٹھیاں پہنے، بالوں کا خوبصورتی سے بنائے گئے ہیر اسٹائل میں موتیوں کی لڑیوں کو پرو دیا گیا تھا۔وہ دلہن کے روپ میں مبہوت کر دینے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔

برات بس پہنچنے ہی والی تھی۔ معراج صاحب اور ان کے خاندان کے مرد حضرات گیٹ کے پاس برات کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ نکاح کی رسم کے بعد اس کو لا کر سبطین کے ساتھ صوفے پر بیٹھا دیا گیا۔ بلیک کلر کی شروانی میں ملبوس وہ کسی ریاست کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ رخصتی کا شور اٹھا، تبھی معراج صاحب قرآن پاک کے سائے تلے اس کو لیے آتے ہوئے دکھائی دیے۔

گھونگھٹ میں چھپے چہرے کو دیکھ سبطین کا دل بے ساختہ دھڑکا تھا۔ تین گھنٹے کے سفر کے بعد گاڑی ایک محل نما گھر کے سامنے جا رکی۔ کچھ رسموں کے بعد درے کو جا کر سبطین کے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔

وہ دروازا کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو نظریں سامنے بیڈ پر گھونگھٹ میں بیٹھی درے سے ٹکرائیں۔ اس سے ہوتی کمرے کے اطراف میں گھومی تو سبطین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ سرخ گلابی اور سفید گلاب کے پھولوں سے بیڈ کے کراؤن اور کو سجایا گیا تھا۔ بیڈ کی چادر گلاب کی پتیوں تلے چھپی ہوئی تھی۔ کمرے کے دروازے سے لے کر کمرے کے

چاروں کونوں تک گلاب کے پھولوں کو بچھایا گیا تھا۔ڈریسنگ ٹیبل سائیڈ ٹیبل اور صوفے کے درمیان میں رکھے ٹیبل پر مختلف ڈیزائنز کی خوبصورت کینڈلز کو لگایا گیا تھا۔روم میں پھیلی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اور کینڈلز کی لائٹ ماحول کو فسوں خیز بنا رہی تھی۔اس نے قدم بیڈ کی جانب بڑھائے۔

"یہ خوبصورت تحفہ میری خوبصورت بیوی کے لیے۔"اس نے سائیڈ ٹیبل کے ڈرا کو کھولتے نیلے رنگ کی ڈبی نکالتے ہوئے کہا۔ ایک خوبصورت ڈائمنڈ پینڈٹ، جس کے خوبصورت سے ہارٹ پیڈٹ میں ہارٹ کے بیچوں بیچ سبطین لکھا ہوا تھا۔جب کے نام کے ارد گرد نیلے رنگ کے نگینے لگے ہوئے تھے۔

درے کے گلے سے بھاری بھرکم ہار کو اتار کر پینڈٹ کو پہنایا۔

رات آہستہ آہستہ سرک رہی تھی۔

****

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ گزر ہی رہا تھا۔وہ درے کو لے کر کراچی شفٹ ہو گیا تھا۔درنجف اور سبطین کی شادی کو دو ماہ ہو چکے تھے۔آج درے کافی

خوش تھی۔ درے نے بڑا دل لگا کر آج سبطین کے لیے کھانے کے ساتھ ساتھ کیک بھی گھر پہ ہی تیار کیا تھا۔ کھانے میں ساری چیزیں سبطین کی پسند کی بنائی تھیں۔ کچن کا سارا کام ختم کر کے وہ بیڈ روم میں آئی۔ اس کے پہنچنے میں صرف پندرہ منٹ بچے تھے۔ اور وہ اُسکے آنے سے پہلے تیار ہو کر اُسکا استقبال کرنا چاہتی تھی۔ پہلے سے نکال کر رکھے ہوئے کپڑوں کو زیب تن کیا۔ کچے پیلے رنگ کا کلیوں والا فراک تھا۔ کانوں میں چاندی کی بوندیں اور دونوں کلائیوں میں بھر بھر کر سُرخ کانچ کی چوڑیاں پہنیں۔ آخر میں آئینے میں اُبھرتے اپنے عکس کو دیکھ کر ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ جب تک اُس نے برتن نکال کر سیٹنگ روم کے ایک کونے میں پڑے دو کرسیوں والے ڈائننگ ٹیبل پر لگائے، باہر اطلاع کی گھنٹی بج گئی۔ دھڑکتے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔ پہلے اُس نے کیک پہ لگی موم بتی جلائی۔ اپنی طرف سے اس کے لیے خریدا ہوا گفٹ بھی کیک کے قریب رکھ دیا۔ پھر سیٹنگ روم کی لائیٹ بند کرتے ہوئے دروازہ کھولنے آئی۔

"اسلام علیکم۔۔!"

دروازہ کھول کر سامنے کھڑے سبطین کو خوشدلی سے سلام کرتے ہوئے۔اُس نے سامنے سے ہٹ کر اندر آنے کا راستہ دیا۔

"دروازہ کھولنے میں اتنی دیر کیوں لگائی ہے؟"

"آپ اندر تو آئیں۔"

اُس نے سبطین کے ہاتھوں سے بیگ لیکر ایک جانب رکھا۔اپنے دونوں ہاتھ سبطین کی آنکھوں پر جما دیے۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" لہجے میں حیرانگی تھی۔

"آپ کے لیے ایک سرپرائز تھا۔اسلیے میں چاہتی تھی کہ آپ اپنی آنکھیں بند کریں۔"

اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھ کر سیٹنگ روم کی لائٹ جلادی۔

میز پر جلتی شمع پر اُس نے نظر ڈالی۔

"ہیپی برتھڈے۔" وہ پر سکون کھڑی مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔

"آپ بیٹھیں تو! کیک کاٹیں۔"

اس نے چھری اس کے ہاتھ میں پکڑائی۔ وہ مسکراتے ہوئے کیک پر لگی موم بتی بجھا ہی رہا تھا کہ درے کا موبائل فون بجا۔ جس کو پکڑنے کے لئے وہ مڑی اور اس کا دوپٹہ موم بتی سے الجھ گیا۔ موم بتی سبطین کے اوپر جا گری، سبطین کا ہاتھ درِ نجف کے گال کو چھو گیا۔

"آگ لگ جاتی تمہارے دوپٹے کو تو کتنا نقصان ہو سکتا تھا، اندازہ ہے تمھیں؟"

درے بے یقینی سے چہرے پر ہاتھ رکھے اسے ششدر نگاہوں سے دیکھ رہی۔ کبھی کسی نے اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ آج پہلی مرتبہ اس پر ہاتھ اٹھا تھا۔ سپاٹ چہرہ لیے اندر باہر گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ نہ جانے کس کے سوگ میں ساری مسکراہٹیں ساری روشنیاں گل کر دی گئیں تھیں۔

****

بہت سی راتوں کی طرح اُس دن کی رات بھی گزر ہی گئی تھی۔ وہ پورا ہفتہ اس سے ناراض رہی لیکن جیسے تیسے کر کے سبطین نے اس کو منا لیا تھا۔ پچھلے کچھ

دنوں سے وہ گھر نہیں آرہا تھا۔اور ایسا تو اب بہت زیادہ ہونے لگا تھا۔وہ اُسکے ساتھ ساتھ ہر قسم کے رویے کی عادی ہوتی جارہی تھی۔اور پچھلے ڈھائی گھنٹے سے گھر کی ساری بتیاں گل کر کے سیٹنگ روم کی کھڑکی کے قریب صوفے پر بیٹھ کر باہر دیکھ رہی تھی۔ایک دم بادل گرجنے کی آواز آئی۔درے کے جسم میں حرکت ہوئی۔میز پہ رکھے فون کو اٹھا کر وہ کال ملانے لگی۔ایک بار دو بار جواب ندارد۔۔۔۔

مسلسل کال کرنے پے فون اٹھالیا گیا۔

"سبطین پلز گھر آجائیں۔"

"کیوں کیا ہوا؟" دوسری طرف سے بیزاری بھری آواز آئی۔

"بادل گرج رہے ہیں پلیز جلدی آجائیں۔"

اس کو بچپن سے ہی بادلوں کے گرجنے سے ڈر لگتا تھا۔اب گرجتے بادل بارش میں بدل گئے۔درے نے اٹھ کر کھڑکی بند کر دی۔وہ کھڑکی بند کر کے پلٹی تو

اچانک کمرے میں چار سو اندھیرا پھیل گیا۔لائٹ جا چکی تھی، بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور بجلی کی آواز درے کو تن تنہا گھر میں خوف میں مبتلا کرنے لگی۔

"پلیز آجائیں۔"

جب بارش کچھ تھمی تو کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔

"کیا ہوا؟"

سبطین اس کے رونے کی آواز پر ٹارچ لائٹ لے کر اس کے پاس آیا۔وہ زمین پر بیٹھی تھی تو اس نے اس کے آگے ہاتھ بڑھایا۔درے نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا،وہ بیزاری سے اس کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"کوئی مر گیا تھا جو اس طرح کالز کر کے پریشان کر رہی تھی۔"

"نہیں بارش سے ڈر۔۔"اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں ڈر لگ رہا تھا بارش سے، کیا کرتی ہے تمہیں یہ بارش؟آج بتاؤ مجھے۔"

اس نے روتی ہوئی کو بازو سے کھینچ کر بیڈ سے اٹھایا۔اس نے روتی ہوئی درے کو بازو سے کھینچ کر زمین سے اٹھایا۔

”نو۔۔۔۔لک۔۔کیا کر رہے ہیں چھوڑیں مجھے۔“

وہ اس کا بازو پکڑتا ہوا اسے کمرے سے باہر لے جانے لگا۔ تبھی وہ رونے کے ساتھ خوف سے ہکلاتی ہوئی بولی۔

”نہیں مجھے معاف کر دیں پلیز ایسا مت کریں میرے ساتھ۔“

اس نے چھت پر جا کر اندر سے دروازہ بند کیا۔وہ روتی ہوئی دروازہ زور سے بجاتی ہوئی بولی۔

وہ بارش کے پانی سے بجتی ہوئی دیوار کے ساتھ چپکی اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے میں مصروف تھی۔۔دروازہ کھولنے کی آواز سے دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

”پلیز مجھے اپنے کمرے میں جانا ہے میں اب نہیں ڈروں کی بارش سے۔“

وہ ابھی بھی خوفزدہ ہو کر روتی ہوئی اس کے دونوں بازو پکڑے اس سے کہنے لگی۔

”آپ تو مجھ سے محبت کرتے ہیں ناں،تو پھر کیوں اسطرح کر رہے ہیں؟“

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

وہ روتی ہوئی اس کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔اچانک اس کا موبائل بجا، بغیر جواب دیے وہ اس کو چھوڑ کر جانے لگا۔ پھر کچھ یاد آنے پر رکا۔

”محبت کرتا ہوں اس لیے تو تمہارا ڈر ختم کرنا چاہتا ہوں۔جب تک میں گھر نہیں آجاتا تب تک تمھیں یہاں سے ہلنے کی اجازت نہیں ہے۔“

وہ بے رحم دیو اس معصوم پری کو اس برستی بارش میں قید کر کے چلا گیا۔وہ ساری رات سردی کی بارش میں بے جان وجود لئے تڑپتی سسکتی رہی۔)

****

وہ کل رات بارش میں مسلسل بھیگنے کی وجہ سے بخار میں تپ رہی تھی۔وہ رات میں کب کیسے کمرے میں آئی اس کو کچھ یاد نہیں تھا۔ سبطین اسے بیمار چھوڑ کر چلا گیا تھا۔وہ سارا دن اپنے کمرے میں بند رہی۔اس نے خانساماں کو بیھجا، درے کافی دیر ان کے پاس بیٹھی ان سے باتیں کرتی رہی۔ پھر انہوں نے درے کو کھانا کھلا کر میڈیسن دی اور چلی گئیں۔ان کے جانے کے بعد وہ بھی کمرے میں آگئی۔اسے افسوس ہونے لگا۔ سبطین اسے ایک کال تو کر سکتا تھا،

بے شک اس کے پاس موبائل نہیں تھا مگر اسے لینڈ لائن پر ہی بات کر لیتا۔ مگر اس نے اسے کال کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

اور دوسری طرف سبطین اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ کلب میں بیٹھا جوُا کھیل رہا تھا۔

****

آج در نجف اور سبطین کی شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔ اس ایک سال میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ اس کا شوخ پن ختم ہو چکا تھا۔ وہ کافی حد تک سنجیدہ ہو چکی تھی۔ کالی رنگ کی ساڑی میں ملبوس، درے نجف بہت حسین لگ رہی تھی۔ مگر خوش نہیں۔ زبردستی کی مسکراہٹ بھی اس کے ہونٹوں پر تھی۔ وہ جتنی ویران نظر آرہی تھی، سبطین اتنا ہی خوش اور مطمئن۔ بہترین انتظامات کے ساتھ خوب صورتی سے ڈیکوریٹ کیے گئے لان کے صدر دروازے پر، وہ مہمانوں کا خوش اخلاقی سے استقبال کر رہی تھی۔ مسز معراج کی نظر درے پر پڑی تو وہ حیران رہ گئیں۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا۔

سبطین نے موبائل کی اسکرین سے نگاہ اٹھا کر مسز معراج کو دیکھا۔تو مدھم سی مسکان کے ساتھ وہ درے کے والدین سے ملا۔بلیک پینٹ کوٹ میں سبطین کا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا۔وہاں اس کے بزنس پارٹنرز اور بھی دیگر مہمان موجود تھے۔

"آپ بہت حسین لگ رہی ہیں مسز سبطین۔"

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ سبطین کا دوست عمار ہاتھ میں مشروب تھامے مسکرا رہا تھا۔

"تھینک یو۔"

"اور آپ کے بال آپ کے حسن میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔"

درے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ سبطین قدرے فاصلے پر ہی بگڑے تیوروں کے ساتھ کھڑا اس کو ہی دیکھ رہا تھا۔درنجف نے بمشکل گلٹی معدے میں اتاری۔

اینیورسری کا شور شرابہ، ہنگامہ سب ختم ہوا تھا۔ مسٹر اور مسز معراج حسن درے سے مل کر جا چکے تھے۔ درے نے ان کو رکنے کا بھی کہا تھا مگر معراج صاحب کی ضروری میٹنگ تھی۔ جس کی وجہ سے ان کا جانا ضروری تھا۔

****

اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر دوسری جانب ابھرتے اپنے عکس کو بغور دیکھا۔ جانے کتنے لمحے بیت گئے۔ وہ یک تک اپنی بے نور آنکھوں کو دیکھتی رہ گئی۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے تھے کیونکہ وہ چاہے جتنی بھی کوشش کرتی، چاہے نیند کی گولیاں لے لیتی لیکن وہ ساری رات میں دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ نیند نہ لے پاتی۔ وہ ایک نہایت شوخ و شریر لڑکی مشہور تھی، مگر اب وہ الگ ہی شخصیت لگتی تھی۔ سارا دن گھر پر رہ کر وہ سخت بور ہوتی تھی۔ اچانک اس کے کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا۔ سبطین کا چہرہ فریم میں ابھرا۔ اس نے آئینے میں ہی دروازے کی جانب دیکھا۔ اس نے غصے سے اس کی جانب بڑھ کر اس کے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔ وہ درد سے کراہ گئی۔

”بہت شوق ہے نا تمہیں اپنی زلفیں سب کو دکھا کر تعریف سننے کا؟“ اسکی کلائی جارہانہ گرفت میں آئی تھی۔

”میں نے کیا کہا تھا تمہیں ہاں؟“

”م۔۔میں نے۔۔“ وہ ڈری ہوئی تھی۔

وہ الماری سے کچھ ڈھونڈتا بہت سکون سے بول رہا تھا۔

”تمہارے یہ بال دیکھنے کا حق صرف مجھے ہے!“

وہ جیسے جیسے قریب بڑھ رہا تھا اسے اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

”پ۔۔پلیز۔۔“ وہ آنکھوں میں آنسو لیے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

اس کے خوبصورت لمبے بال زمین پر پڑے تھے۔ کمرے میں بھیانک مردانہ ہنسی اور قینچی کی کچ کچ کی آواز گونج رہی تھی۔

****

وہ کھانا بنا کر، شاور لے کر، کافی کا کپ بنا کر پیتی ہوئی بالکنی میں آ کر بیٹھ گئی۔ لائٹ نہیں جلائی۔ اندھیرے میں بیٹھتے ہی نہ جانے کیسے آنسو لڑیوں کی

صورت آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے چلے گئے. کمرے میں فون کی گھنٹی گونجی۔

واٹس ایپ پر اسکی امی کے نمبر سے کال آرہی تھی۔اس نے گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا اور کال اٹینڈ کی۔

"اسلام علیکم امی بڑی لمبی عمر ہے۔میں آج صبح آپکے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔آپ بتائیں آپ کیسی ہیں؟گھر پہ باقی سب کیسے ہیں؟"

ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئ۔

"وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں گھر میں بھی سب ٹھیک ہے۔کافی دنوں سے تم سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن تمھارے تایا کے گھر چکر لگ رہے تھے جس کی وجہ سے وقت نہیں مل رہا تھا۔"

"تایا کے گھر کیوں؟خریت ہے نہ سب ؟"

"خیریت تو نہیں ہے بیٹا۔تمہاری کزن نور گھر آکر بیٹھ گئی ہے، بات طلاق تک جا پہنچی ہے۔"

"طلاق تک کیوں؟" اس کی آواز لڑکھڑائی۔

"کہتی ہے اسکا میاں ہاتھ اٹھاتا ہے اس پر۔اب بغیر وجہ کے تو نہیں نا اٹھاتا ہوگا کوئی تو وجہ ہوگی اور ویسے بھی تمہیں پتا ہی ہے ہمارے ہاں طلاق نہیں ہوتی۔ بس میں اور تمہارے ابا اس کو سمجھانے جاتے ہیں کہ صلح کر کے گھر چلی جائے۔"

درے بے یقینی سے اپنی ماں کی باتیں سن رہی تھی۔

اس کو اپنے الفاظ بھولنے لگے۔

"شکر ہے بھئی ہمارا داماد کتنا اچھا ہے کتنا خیال رکھتا ہے تمہارا۔دو دن پہلے تمہارا نمبر نہیں لگ رہا تھا تو میں نے اسے کال ملائی،اس نے کہا کہ تم سوئی ہوئی ہو اٹھا نہیں سکتا تم ناراض ہو جاؤ گی۔اٹھو گی تو بات کروا دے گا۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

ایک پل کو درے کا دل کیا کہ کاش وہ چیخ چیخ کر ان کو سچ بتائے کہ جس کو اتنا فرشتہ صفت سمجھ رہی ہیں وہ انسانی روپ میں حیوان ہے۔کاش وہ ان کو ویڈیو

کال اون کر کے اپنے چہرے پر موجود وہ تشدد کے نشان دیکھا سکے۔ان کو بتائے کہ ان کی نازوں سے پلی بیٹی کس قدر تکلیف میں ہے۔کاش وہ ان کو بتائے کہ کچھ نفسیاتی مریض بغیر وجہ کے بھی ہاتھ اٹھاتے ہیں۔کاش وہ ان کو بتادے کہ پچھلے ایک ہفتے سے ان کا فرشتہ صفت داماد گھر نہیں آیا۔ان سے جھوٹ کہہ رہا تھا۔مگر کاش اور دل کی باتیں دل میں رہ گئیں۔وہ کال بند کر کے زار و قطار سے رونے لگی۔

****

***

سبطین آفس میں میٹنگ اٹینڈ کر رہا تھا جب اسے در نجف کے نمبر سے میسج آیا تھا۔وہ ایکسکیوز کرتا فوراً میٹنگ سے نکلا تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا گھر چلا گیا تھا۔سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی رگیں تن گئی تھیں۔غصے سے چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔اس کی آنکھوں کا مرکز بس در نجف تھی اور اسکے ساتھ موجود علی (تایا کا بیٹا) تھا۔

جو درے کے دونوں ہاتھ تھامے ناجانے کونسی باتیں بتارہا تھا۔وہ درِ کے بڑے بھائیوں کی طرح تھا۔

"کیسے ہے آپ مسٹر علی۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان کے قریب گیا تھا۔درے نجف اس کی آنکھوں میں موجود تاثرات سمجھ چکی تھی۔

"یہاں کیسے آنا ہوا آپ کا؟" وہ درے کے ساتھ صوفے پر براجمان ہو چکا تھا۔

"میں ضروری کام سے کراچی آیا تھا۔سوچا جاتے جاتے در نجف سے مل لوں۔"

"بہت اچھا سوچا آپ نے۔"

کچھ دیر بعد علی واپس جا چکا تھا۔اسے اس طرح لانچ سے جاتا دیکھ کر در نجف بھی نجانے کیا سوچتی اس کے پیچھے آئی۔

کچھ سوچ کر وہ کچن میں آیا۔

"یہ پانی کیوں گرم کر رہے ہیں آپ؟"

درے نے کچن میں آ کر پوچھا۔ پانی ابل رہا تھا تقریباً آدھے گھنٹے سے یہ پانی اس نے ایسے ہی چولہے پر رکھا ہوا تھا۔ سبطین نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا بس پانی کو گھورتا رہا۔ لیکن اگلے ہی سیکنڈ جو حرکت سبطین نے کی تھی اسے دیکھ کر درے ششدرہ گئی۔ سبطین نے اسکا دایاں ہاتھ ابلتے پانی میں ڈال دیا۔ در نجف کی چیخیں سارے گھر میں گونجنے لگی۔

"چھوڑیں مجھے پلز۔"

وہ ہاتھ پانی سے باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔

جبکہ سبطین پتھر دل بنا کسی درد، بنا کسی تکلیف کے اس کا پانی میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔

درے نے بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ پانی سے نکالا۔

"مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" درے نے روتے ہوئے زبردستی اپنا کا ہاتھ کھینچا۔

"نہیں یہ تکلیف کم ہے بہت کم ہے یہ تکلیف! اس تکلیف کے سامنے جو مجھے محسوس ہو رہی تھی تمہارا یہ ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیکھ کر۔"

www.novelsclubb.com

اس نے وہاں زمین پر روتی در نجف کو درد سے تڑپتا ہوا چھوڑ کر زور زور سے ہاتھ دیوار پر مارنا شروع کر دیا اور تب تک مارتا رہا جب تک کہ خون نکلنا شروع نہیں ہو گیا۔

"تمہیں تکلیف دینا مجھے اچھا نہیں لگتا جان، لیکن تمہاری حرکتیں ہی ایسی ہیں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہیں تکلیف دینی پڑتی ہے۔ دیکھو اس ہاتھ نے تکلیف دی تھی نا تمہیں۔"

فرش پر بیٹھی درِ نجف کانپ رہی تھی۔ درے کو اس وقت وہ کوئی سائیکولگ رہا تھا۔ اس کو اپنے سانس بند ہوتے محسوس ہوئے اور وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی۔

****

کراچی کے وسط میں اونچی عمارتوں کے درمیان اس درمیانے سائز کے گھر میں حسب معمول رات کے گیارہ بجتے ہی تاریکی چھا گئی تھی۔ سیڑھیوں پر جلتی مدھم بتیوں سے لاونج میں ہلکے سنہری رنگ کی روشنی، رات کے اس تاریک

www.novelsclubb.com

منظر کو خوبصورت بنا کر پیش کر رہی تھی۔گھر میں مکمل اندھیرا تھا مگر خاموشی نہیں۔

"مجھے بابا سے ملنے جانا ہے۔ماما نے بتایا ان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے پلز۔"

"میرے پاس ان سب فضولیت کا وقت نہیں ہے بہت کام ہے مجھے۔"

"پلز لے جائیں بابا ہسپتال میں ہیں۔مجھے سکوں نہیں ملے گا جب تک ان سے مل نہیں لوں گی۔آپ مصروف ہیں تو میں خود۔۔۔"

وہ رو رہی تھی۔دل پھٹا جا رہا تھا۔عجیب وحشت اور گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"زندہ ہے باپ تمہارا مرا نہیں ہے مر جائے گا تو لے جاؤں گا۔"

وہ سخت گرفت میں آئی۔

"سبطین میرے بابا کے بارے میں فضول بات مت کریں میں خود چلی جاؤں گی سمجھے آپ۔" وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

"کیوں مجبور کرتی ہو مجھے نہیں اچھا لگتا تمہیں تکلیف دینا؟" اس کے لہجے میں بے بسی تھی، اس نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تھا۔ اسکا جلا ہوا ہاتھ اس نے اپنی گرفت میں لیا تھا اور گھسیٹتے ہوئے اسے کمرے سے باہر لے گیا تھا۔

مجھے۔۔۔کچھ نہیں۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔نہیں۔۔جاؤں گی۔یقین۔۔۔۔۔ کریں میری۔۔۔۔۔بات سنیں۔۔۔وہ اس ساتھ ساتھ کھنچتی، روتے ہوئے بتانے لگی۔ لیکن اسے اس کی کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔ وہ نہیں سن رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہہ رہی ہے۔ یاس نے بیسمنٹ میں آکر ایک دروازہ کھولا اور اس کو اندر ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔

"یہ تمہاری زندگی کی آخری غلطی ہے۔ اس کی بعد تم مرتے دم تک ایسا کچھ کرنے کے بارے میں سوچو گی بھی نہیں۔" وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

"پلیز مجھے یہاں سے باہر نکالیں۔ کیوں قید کیا ہے آپ نے مجھے۔ باہر نکالیں مجھے یہاں سے۔۔۔۔ آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

وہ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹاتی چلا رہی تھی۔

”یہاں بہت اندھیرا ہے۔پلیز مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

وہ بے بسی سے روتے ہوئے زور سے چلانے لگی۔

”دروازہ کھولو۔پلیز کوئی دروازہ کھولو۔“

کمرہ بہت چھوٹا سا تھا۔اس کو سانس لینے میں دشواری ہونے لگی۔وہ منہ کھولے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔لیکن بند دروازے کے باہر کھڑے شیطان پر اس کی کسی چیخ و پکار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔اس کی سانسیں بند ہو رہی تھیں۔اس کا سارا جسم کانپنے لگا تھا۔وہ کب سے دروازہ کھٹکھٹاتی چلائے جا رہی تھی اور پھر آہستہ آہستہ آواز آنا بند ہو گئی۔

اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا تو وہ سامنے ہوش و حواس سے بیگانا پڑی ہوئی تھی۔

”مجھے یقین ہے جان یہ تمہاری آخری غلطی ہے۔اور یقین مانو اس سے زیادہ برا میں تمہارے ساتھ کر بھی نہیں سکتا۔“

"تمہیں تکلیف پہنچا کر خوشی نہیں ملتی مجھے۔"

وہ اس کے بے جان وجود سے دیوانہ وار کہہ رہا تھا۔

وہ اس کو آہستہ سے باہوں میں اٹھا کر بیڈروم میں لے گیا۔بیڈ پر لٹاتے اس نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا۔

اس کے وجود میں کوئی حرکت نہ پا کر وہ چلتا ہوا الماری کی جانب گیا اور وہاں سے بیلٹ نکال کر خود کو بے دردی سے مارنے لگا۔

****

دو سال بعد:

سبطین لیپ ٹاپ اٹھائے اپنی میلز چیک کر رہا تھا۔اس نے لیپ ٹاپ سے نظر ہٹائی اور غیر ارادی طور پر سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔مگر ادھر نظر پڑتے ہی وہ یکدم کھٹکا۔سیڑھیاں اترتی در نجف ہاتھ میں ہینڈ کیری اٹھا کر تیزی سے نیچے آئی۔

"کہاں جا رہی ہو۔؟"

سبطین نے ہینڈ کیری کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس جہنم سے دور۔"

اس کے پوچھنے پر درے نے آنسو سے بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ آج ناجانے کہاں سے اس میں اتنی ہمت آگئی تھی۔ سبطین نے ایک نظر اس کے بھاری سراپے کو دیکھا۔اور اٹھ کر اس کی طرف آیا۔

"اندر جاؤ۔"

"نہیں۔"

اس نے سبطین کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ کر کہا۔اس نے درے کے ہاتھ میں موجود ہینڈ کیری پکڑنا چاہا مگر اس نے پیچھے کر لیا۔وہ آگے کو بڑھنے لگی۔ سبطین ایک دم وحشیانہ انداز میں اس کی جانب بڑھا اور اس کے ہاتھ سے ہینڈ کیری لے کر اس کو پیچھے کیا۔ مگر دھکا لگنے کی وجہ سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائی اور شیشے کی ٹیبل سے جا ٹکرائی۔

ہینڈ کیری ایک طرف پھینک کر وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں سر کے بال جکڑ کر گہرے سانس لینے لگا۔ کچھ پل لگے تھے پھر وہ اس کی طرف بھاگا۔ نارنگی آنچل پر خون کے دھبے گہرے سے گہرے ہوتے لگ رہے تھے۔ اس نے ایمبولنس کو کال کی۔ پھولی سانسوں اور کانپتے ہاتھوں سے جب اس نے درِ نجف کا چہرہ تھاما تو اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"درِ نجف آنکھیں کھولو پلیز۔"

وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی اور فرش پر اوندھے منہ پڑی تھی۔ مگر سب سے زیادہ تشویش دہ وہ ڈھیر سارا خون تھا جو کہ اس کے پیٹ کے قریب فرش پہ بہہ رہا تھا۔ ایمبولنس کے آتے ہی وہ اس کو ہاسپٹل لے گیا۔ سٹریچر پر ڈال کر اسے ایمرجنسی روم تک لایا گیا تھا۔ سارا وقت وہ ہوش و حواس سے بیگانہ لاش کی مانند پڑی رہی تھی۔ ہاسپٹل میں خطرناک حد تک سناٹا تھا۔ سب لوگ اندر آئی سی یو میں موجود درِ نجف کیلئے دعا گو تھے۔ ایک طرف چیئر پر مسز معراج اپنے آنسو روکتے دعاؤں میں مشغول، معراج صاحب، نور اور مسز مراد

(معراج صاحب کے بھائی کی بیوی) بیٹھی تھیں۔ سبطین اُن کے بالکل سامنے والی چیئر پر بیٹھا تھا۔

ڈاکٹرز کی ٹیم نے بتایا کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہیں۔ مگر اس کا وجود کسی بھی قسم کا رد عمل ظاہر کرنے سے قاصر ثابت ہو رہا ہے۔ مسز معراج دھاریں مار مار کر رو رہی تھیں جب ایک لیڈی ڈاکٹر نے ان کو پانچ ماہ کا مردہ ننھا وجود سفید چادر میں لپیٹ کر دیا۔ خون اس قدر بہہ چکا تھا کہ درے کی زندگی کی ڈور کسی بھی لمحے ٹوٹ سکتی تھی۔ اگر اگلے کچھ گھنٹوں تک ہوش میں نہ آئی تو قومہ میں جا سکتی ہے۔ درے کے جسم پر موجود نشان چیخ چیخ کر اس پر ہونے والے جسمانی تشدد کا اعلان کر رہے تھے۔ اس کیس میں پولیس بھی انوالو تھی۔ ڈاکٹر سے ساری معلومات لینے کے بعد پولیس والے سبطین کو پولیس اسٹیشن لے گئے۔ اس واقعے کے ایک ہفتے بعد سبطین نے اس کو طلاق دے دی تھی، جب اس کو پتا چلا کہ وہ اولاد کو کھونے کے غم سے نیم پاگل ہو چکی ہے۔

****

*****

یادوں کا بلبلا پھوٹ چکا تھا۔آنسو در نجف کے چہرے پر لڑیوں کی صورت میں بہہ رہے تھے۔اوران سالوں میں وہ در نجف مر چکی تھی۔

"پتا ہے نور آپا سے میں نے پوچھا تھا۔وہ دکھنے میں کیسا تھا،وہ کہتی ہیں کہ اس کا ناک بالکل میرے جیسا تھا۔"

درے اب سر اس کی گود سے اٹھا کر اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"میں اس کو دیکھنا چاہتی تھی۔۔۔میں اس کو محسوس۔۔"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر سسک پڑی۔یہ سب بتانا بھی کسی گہرے صدمے اور کسی گہری اذیت سے کم نہیں تھا۔وہ باتیں،وہ یادیں۔۔۔لفظ بالفظ اذیت تھی۔

مگر وہ آج سب بتانا چاہتی تھی۔ایک ایک بات،اپنا ایک ایک درد،ایک ایک کرب،ایک ایک اذیت۔اوراس پورے دورانیہ میں ایک آنسو نے بھی عائش کے گال پر دستک نہیں دی تھی۔شاید اس کو آنسو پی جانے کا ہنر بخوبی آتا تھا۔

"میں نا اکثر خدا سے شکوہ کرتی تھی کہ میرے لیکھ میں ہی یہ اذیت تکلیف کیوں۔۔۔ جانتے ہیں آپ اپنی اس حالت کی ذمہ دار بھی میں خود ہی ہوں۔"

اس کی آواز پھر ماضی میں کھو گئی۔

(یہ منظر کالج کے ایک گراؤنڈ کا ہے جہاں دو لڑکیاں یونیفارم میں مبلوس درخت کے سائے میں گھاس پر بیٹھی تھیں۔

"واہ بندہ کمال ہے یار۔"

غزل کے موبائل فون پر وہ اشتیاق سے سکرین پر نظر جمائے ہوئے تھی، جس پر کسی آنلائن رائیٹر کا ناول روشن تھا۔اس ناول کے ہیرو پر تبصرہ کرنے والی در نجف تھی۔

"اس میں کمال والی کیا بات ہے؟ مجھے تو سائیکو لگ رہا ہے۔"

"ارے یار سائیکو کہاں سے لگ رہا ہے؟ کتنا رومانٹک ہے اگر کچھ کرتا بھی ہے تو اس کے لئے ہی نا۔" اس نے ہنس کر فون غزل کے ہاتھ میں دیا۔

"خدا کا نام لو بہن اتنا ٹاکسک ہیرو تمھیں رومانٹک لگ رہا ہے۔"

www.novelsclubb.com

"افففف تم تو چپ ہی رہو اینڈ میں دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا اور وہ اووَر پوزیسو یو ہے ٹاکسک نہیں ہائے اور ایسے ہی بندے ڈیشنگ ہوتے ہیں۔کاش میری زندگی بھی کسی ناول کے فیری ٹیل جیسی ہوتی۔"

"میرے ہی الفاظ میرے گلے کا طوق بن گئے۔جب خود پر بیتی تو سمجھ آئی کہ زندگی فیری ٹیل نہیں ہوتی۔ایسے مرد سائیکو ہوتے ہیں کیئرنگ یا رومانٹک نہیں۔"

"وہ تھپڑ جو میں ہیروئن کو پڑنے پر romanticise کرتی تھی،جب اپنے گال پر پڑا تو اس کی تپش نے میری روح تک جھلسا دی۔"

آنسو ہنوز بہتے جا رہے تھے۔

"عائش آپ بہت اچھے ہیں آپ اپنے جیسی اچھی اور مکمل لائف پارٹنر ڈیزرو کرتے ہیں۔"

اس وقت درے کو سنبھالنا اور اس کیفیت سے نکالنا بے حد ضروری تھا۔وہ خاموش ہوئی تو عائش نے اس کے ہاتھوں اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"میں جیسی لڑکی ڈیزرو کرتا تھا وہ مجھے مل چکی ہے درے اور میں آپ کو پا کر نہایت مطمئن ہوں۔"

اس نے درے کا ہاتھ اوپر کیا اور لبوں سے لگایا۔

آج تمام تر فاصلے وہ دونوں طے کر چکے تھے۔اب درمیان میں کچھ نہیں تھا سوائے محبت اور عقیدت کے۔

****

***

آسمان نیلا اور صاف تھا، مگر یہاں کے پہاڑ دھند میں لپٹے تھے اور یہی اس شہر کی سب سے بڑی خوبصورتی تھی۔

جامنی رنگ کی انارکلی فروک میں ملبوس وہ آئینے کے سامنے مسکراہٹ سجائے خود کو کب سے تک رہی تھی۔ بال سٹریٹ کیے کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ ہلکے سے میک اپ میں وہ آئینے میں اُبھرتا اپنا عکس دیکھ رہی تھی جو آج الگ ہی انداز بیان کر رہا تھا۔لانچ کے ٹیبلز پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔ گل نین، عائش اور جبران کے

سامنے بیٹھی کسی بات پر بحث کر رہی تھی۔آہٹ پر گل نین نے گردن موڑ کے دیکھا۔

"آجائیں بھابھی جاناں۔ناشتہ کرلیں۔"

گل نین کی آواز پر عائش نے بھی اسکی نظروں کی سمت دیکھا۔تو اس کے لب مسکرائے۔ٹیبل تک پہنچ کر سلام کرتی وہ گل نین کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"ناشتہ کر کے سب تیار ہو جائیں۔آج ہم الیاس مسجد جائیں گے اور صبح ہماری واپسی ہے۔"

سب کی جانب دیکھتا عائش بول رہا تھا۔درِ نجف نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔نظریں ملی تھیں۔درے کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔اس نے ہلکی سی مسکان کے ساتھ نظریں جھکا لیں۔

"بھابھی جاناں آپ کے گال اتنے ریڈ کیوں ہو رہے ہیں، بلشن زیادہ لگا لیا ہے کیا؟"

گل نین کی شرارت بھری آواز پر اس نے ہڑبڑا کر اسکی جانب دیکھا۔

"نہیں تو ہاں شاید۔" گل نین مسکرا دی۔

وہ درے کی آنکھوں میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"مذاق کر رہی تھی بھابھی جاناں اتنا کنفیوز کیوں ہو رہی ہیں۔"

"کوئی حال نہیں تمہارا۔" درِ نجف ہنس دی۔

گل نین سے اس کو بات کر کے اچھا لگتا تھا۔ اس کو عجیب سی خوشی ہوتی تھی۔

****

******

گل نین نے کچے پیلے رنگ کا کشمری فراک پہنا ہوا تھا اور ہم رنگ حجاب کیا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ میک اپ سے پاک تھا۔ جبران نے کالے رنگ کا کرتا پاجامہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ گل نین کو دیکھ کر جبران کی آنکھیں جھپکنے سے انکاری تھی۔

"ماشاللہ گل نین بہت پیاری لگ رہی ہو؟"

در نجف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جبکہ جبران اس کو بنا پلک جھپکے دیکھ رہا تھا۔

"بھابھی ذرا مجھے نظر کا ٹیکہ تو لگادیں۔کالی نظر والے نظر ہٹا نہیں رہے۔"

وہ گل نین کے کہنے پر سٹپٹایا اور نظروں کا رخ پھیرا تو در ے اور گل نین ایک ساتھ ہنس دیے۔

"ہم میک اپ کا کمال ہے سارا اتنی بھی تم کوئی حور پری نہیں لگ رہی۔"

جبران جھٹ سے بولا۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ یہ تو جب درخت کے پاس سے گزرتا ہے نہ تو چڑیل بھی کہتی ہے بھائی ذرا سائیڈ پر ہو کے چلیں میرے بچے ڈر جائیں گے۔"

وہ بھی گل نین تھی دو بدو بولی تھی۔

"ایسے نہیں کہتے گل نین وہ مائنڈ کر جائے گا۔"

"مائنڈ ہو گا تو کرے گا نا۔"

"آ بھی جائیں آپ لوگ لیٹ ہو رہے ہیں۔"

عائش لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ گل نین اور جبران ایک دوسرے کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ در نجف مسکراتی نفی میں سر ہلا کر عائش کے پیچھے باہر کو چل دی۔

****

الیاس مسجد،

الیاس مسجد کا شمار پاکستان کی تاریخی مسجد میں ہوتا ہے جو فن تعمیر کا شاہکار ہے۔ مسجد کی نچلی منزل میں ایک چشمہ موجود ہے، جس کی خاص بات یہ ہے کہ یہ ہر وقت پانی سے بھرا رہتا ہے۔ اور اسی پانی کو وضو اور دیگر ضروری کاموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بعض افراد سمجھتے ہیں کہ اس چشمے میں مختلف بیماریوں کا علاج موجود ہے۔ کچھ سیاح آکر اسی چشمے کے پانی سے منہ ہاتھ دھوتے ہیں جبکہ چشمے کے ساتھ ہی غسل خانے بھی بنائے گئے ہیں اور قریب ہی مسجد کے اندر دو تالاب بھی بنائے

www.novelsclubb.com

گئے ہیں جہاں پر وضو کا انتظام کیا گیا ہے۔ وہ چاروں مسجد گھوم ہی رہے تھے کہ عصر کی اذان ہو گئی، پھر انہوں نے وہاں نماز ادا کی۔

جبران ان کو پکوڑوں کے سٹال پر لے گیا۔

”یہ لیں بھابھی گرما گرم پکوڑے کھائیں۔ یہاں کے پکوڑے بہت مشہور ہیں۔“

”لاجواب! جبران ان کو کہو کہ ریسیپی دے دیں پلز۔“

گل نین نے چٹنی سے لدا پکوڑا منہ کی طرف لے جاتے ہوئے جبران کی جانب دیکھ کر کہا۔

”ریسیپی وہ نہیں دیتے بہت سے لوگ مانگ چکے ہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی بھلا۔“

پکوڑے کھانے کے بعد انہوں نے چہل قدمی شروع کر دی، شام رات کے ساتھ جا ملنے والی تھی، بارش پھوار کی صورت برس رہی تھی۔

گل نین ناجانے کون سی باتیں کر رہی تھی۔ جبران کو موبائل میں مگن دیکھ وہ ایک دم سے چیخی۔

”جبران میں کب سے بولے جا رہی ہوں اور تم ہو کہ موبائل میں لگے ہوئے ہو۔“

جبران نے اس کی طرف دیکھا جو دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے اسی کو گھور رہی تھی۔

”اور یہ اتنا مسکرا کیوں رہے ہو۔ یقیناً اُس لچھو باندری کا میسج آیا ہو گا۔“

”کون لچھو باندری؟“

”وہی جس کی آنکھوں میں دیکھ کر تمہاری یاداشت چلی جاتی ہے۔“

بھوری آنکھوں کی بھنویں تن گئیں۔

جبران بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

”اب چپ کیوں ہو بکو بھی کچھ۔“

”ارے یار ایک دوست نے میسج کیا تھا اس پے مسکرا رہا تھا۔“

”جھوٹ مت بولو تمہاری یہ زہریلی مسکراہٹ سب بتا رہی ہے۔“

"اور ہاں اس کو بتا دینا کہ تم جب میرے ساتھ ہو گے اس سے بات نہیں کر سکتے کیونکہ تم پر پہلا حق گل نین ابراھیم خان کا ہے۔"

اس نے جتایا تھا۔

"ہمم۔" جبران بدقت مسکرایا۔

****

شام ڈھلنے کے ساتھ ساتھ درجہ حرارت گر رہا تھا۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ رات کا اندھیرا پوری طرح پھیل گیا۔

در نجف بالکنی میں کھڑی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ کالے رنگ کی گرم شال اچھی طرح ارد گرد لپیٹ رکھی تھی۔ بالوں کو کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ وہ ایک ہاتھ میں کافی کا مگ تھامے ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ سے ہوا کی وجہ سے چہرے پر آتے بال پیچھے کر رہی تھی۔ آہٹ پر اس نے اپنے دائیں طرف دیکھا تو نظر عائش کے تبسم چہرے پر پڑی۔

"زوجہِ خان یہاں اتنی ٹھنڈ میں آپ کیا کر رہی ہیں؟"

"موسم اچھا ہو رہا تو بس اسلیے۔" اس نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے بتایا۔

عائش نے ایک ہی جست میں ہاتھ بڑھا کر مگ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

گھونٹ لیتے ہوئے وہ مسکرایا۔ اور وہ ہکا بکا اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"آج سے پہلے مجھے بلیک کافی کبھی اتنی میٹھی نہیں لگی۔"

وہ دھیما سا مسکرائی۔ عائش کو لگا کہ رات کے اس اندھیرے میں بھی قوس قزح کے رنگ دیکھیں ہوں اس نے۔

****

زندگی اپنی دور پر چل رہی تھی۔ وقت گزر رہا تھا اور وقت تو گزر ہی جاتا ہے۔

آخر کار گل نین کے واپس جانے کا دن آگیا تھا۔ یہ منظر ہے لاہور ایئرپورٹ کا جہاں گل نین کو چھوڑنے سب آئے تھے۔

در نجف، زحل، عائش اور جبران۔ گل نین نے رو رو کر آنکھیں لال کر لی تھیں۔ عائش کے گلے لگی وہ سوں سوں کرتی رو رہی تھی۔

"چپ کر جاؤ گل نین تم ایسے رو رہی ہو جیسے رخصتی ہو رہی ہے تمھاری۔"

جبران اس کے رونے سے تنگ آ چکا تھا۔

"کیوں تمہیں میری انکھوں میں آنسو دیکھ کے برا لگ رہا ہے۔"

اس نے سوں سوں کرتے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تمہاری ناک بہہ رہی ہے اسلئے۔" سب کے چھت پھاڑ قہقے گونجنے لگے۔ آس پاس کے لوگ گردنیں موڑ موڑ کر ان کو دیکھ رہے تھے۔ گل نین تو صدمے سے مر ہی جانے والی تھی۔ اس سے پہلے ان کی جنگ عظیم شروع ہوتی ایئرپورٹ پر اناؤنسمنٹ ہو گئی تھی۔ گل نین باری باری سب سے ملتی اندر کو چل دی۔ پر جاتے جاتے جبران کو کمر میں مکا جھڑ نا نہ بھولی۔

****

کمرے میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں۔ در نجف اپنے بیڈ کے قریب جائے نماز بچھائے بیٹھی تھی۔ وہ نماز اسی طرح پڑھتی تھی۔ ہلکی مدھم روشنی بس سجدہ کرنے کی جگہ پر روشنی تھی۔ دفعتاً اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر

داخل ہوا۔یہ وہی تھا۔اسکا محافظ،اسکا مسیحا جس نے اس ایک سال میں اس کے تمام دل پر لگے زخم مندمل کر دیے تھے۔اس کو وہ محبت عزت واحترام دیا تھا، جس کی وہ حقدار تھی۔اس نے سلام پھیر کر ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے تھے۔ عائش چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس کے قریب چلا آیا۔پھر یونہی قالین پہ اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔وہ دعا مانگتی رہی اور عائش پلک جھپکے بغیر یاسیت سے اسے دیکھتا رہا۔وہ دعا مانگ چکی تو اس نے نظریں اٹھا کر عائش کو دیکھا۔

"مجھے آج آپ سے دوسری دفعہ محبت ہوئی ہے زوجہِ خان۔"

وہ مسکرائی۔

"اچھا پہلی دفعہ محبت کب ہوئی تھی۔؟"

وہ کارپٹ پر انگلی سے لکیر کھینچتی جھکے سر کے ساتھ آہستگی سے بولی تھی۔

"جب آپ نے میری اسائنمنٹ چرائی تھی۔"

"چرائی نہیں تھی کاپی کی تھی۔"

وہ تڑپ کر بولی تو عائش ہنستا چلا گیا۔چند لمحے وہ یوں ہی اس کو تکتی رہی۔پھر آہستگی سے اس کے کندھے پر سر رکھ کر نم آواز میں بولی۔

"میں اللہ پاک کی بہت شکر گزار ہوں عائش،اس نے آپ جیسا مرد میری قسمت میں لکھا۔"

عائش نے اس کی نم آنکھیں صاف کرتے ہوئے عقیدت سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔اب اس کا ماضی اس کے لئے فسانہ سراب سے زیادہ کی حیثت نہیں رکھتا تھا۔

"وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى"(القران)

(اور یقینا تمھارا مستقبل تمھارے ماضی سے بہتر ہوگا)

****

پیرس،

صبح دس بجے

شہر کے عین مرکز میں موجود سات سو سے زائد برس پرانی پیرس کی قدیم ترین یونیورسٹی کے ہوسٹل کی جانب بڑھتے ہیں، جہاں بہت سے گھر نما فلیٹ بنے ہوئے ہیں۔ چھوٹے مگر خوبصورت۔ایک جیسی پانچ عمارتیں ایک قطار میں گنتی کے ساتھ قدرتی پتھر، بلاک اینٹوں اور لکڑیوں سے بنی بھرپور رعب سے کھڑی تھیں۔ان کے سامنے بالکل انہیں جیسی کچھ اور عمارتیں تھیں۔اور کچھ اپارٹمنٹ ساتھ قطار میں لگے تھے۔

دائیں جانب والے اپارٹمنٹ کے باہر دروازے کی دوسری جانب ایک ڈائننگ ہال تھا جہاں سورج کی کرنیں داخل ہو رہی تھیں۔اسی حال سے آگے بائیں ہاتھ پر ایک خوبصورت کمرہ۔جس کے بیچ و بیچ ایک بیڈ تھا۔بیڈ کے اطراف میں سفید پردے گرے ہوئے تھے۔ساتھ میں سائیڈ ٹیبل، اور ایک طرف گول آئینہ دیوار پر نصب تھا۔اس کے نیچے ایک سنگھار میز اور دوسری جانب سٹڈی سیٹ اپ تھا۔پھر وہاں سے آگے کھڑکی تھی اور کھڑکی کے آگے بالکنی۔ سنگھار میز کے سامنے کھڑی وہ اپنا جائزہ لے رہی تھی۔سیاہ لانگ کوٹ پہنے، ساتھ میں

مارون مفلر گردن کے اطراف لپیٹ رکھا تھا۔کالے لانگ بوٹس اٹھا کر پہنے، کاندھے پر بیگ لٹکایا اور باہر چل دی۔

وہ چلتی چلتی اب اس حسین شہر کے ایک میٹرو اسٹیشن تک آئی۔چند منٹ میں میٹرو وہاں موجود تھی۔جو بغیر ڈرائیور کے چلتی تھی۔میٹرو ہمیشہ انسانوں کے ہجوم سے بھری رہتی تھی۔اس نے میٹرو میں داخل ہونے کو قدم آگے بڑھائے اور ایک کونے میں جا بیٹھی۔بیگ سے موبائل نکل کر سکرولنگ کرنے لگ گئی۔

"اوہ۔مس خان۔" وہ حیرت بھری آواز کہیں دور سے آئی تھی۔گل نین نے موبائل سے نظر ہٹا کر دھیرے سے پلکیں اس کی جانب اٹھائیں۔ وہ قیمتی اور نفیس سیاہ سوٹ میں ملبوس، جیل سے بال پیچھے کیے ہوئے تھا۔بریف کیس اس کے قدموں میں رکھا تھا۔وہ تھوڑے فاصلے پر بیٹھا تھا۔

"مسٹر ارتضیٰ ملک۔" وہ بدقت رسما مسکرائی۔

"کیسی ہے آپ؟"

"الحمدللہ میں ٹھیک۔"

"کب واپس آئیں آپ پاکستان سے؟"

موبائل بیگ میں رکھ کر اب وہ پوری طرح ارتضیٰ کی جانب متوجہ تھی۔

"ایک سال ہونے والا ہے۔۔۔ایکچولی میں آپ سے ملنا چاہ رہی تھی۔شکریہ ادا کرنے کے لیے آپ کو ٹیکسٹ کئے،آپ کے گھر بھی آئی تو چوکیدار نے بتایا کہ آپ آؤٹ اوف سٹی گئے ہوئے تھے۔"

"اہاں ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں جانا پڑا۔خیر آپ کا شکریہ ایسے قبول نہیں کیا جائے گا،اس کے لئے آپ کو ایک کپ کافی پینی ہوگی میرے ساتھ۔"

"ابھی تو نہیں میں یونیورسٹی سے لیٹ ہورہی ہوں۔پھر کبھی۔"

اس نے ہاتھ میں پہنی گھڑی میں دیکھتے ہوئے کہا۔اور اتنے میں اس کا اسٹاپ بھی آچکا تھا۔وہ مسکراتی الوداعی نظر اس پر ڈالتی میٹرو سے اتر گئی۔

****

سورج کی کرنیں یونیورسٹی آف پیرس سے ٹکراتیں، رنگین لباس اوڑھے بچوں کے ساتھ اندر داخل ہو رہی تھیں۔آج معمول کے مطابق بہت سے نوجوان ہال میں کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔وہاں سے آگے آؤ تو کنٹین میں میز اور کرسیاں رکھی گئی تھیں۔جہاں ہر رنگ و نسل کے لوگ بیٹھے تھے۔

کالی آنکھیں، درمیانہ قد اور سانولی رنگت والی لڑکی چلتے ہوئے ایک ٹیبل کی جانب آئی اور دونوں ہاتھ دھڑم سے ٹیبل پر رکھے۔وہ سامنے والی لڑکی کو گھور رہی تھی۔

''تم بہت خبیث ہو گل نین خان مجھے ساتھ کیوں نہیں لے کر آئی؟''

''تمہارے چکر میں میں بھی لیٹ ہو جاتی۔'' وہ ٹیبل کے آگے ہو گئی۔وہ لڑکی منہ بناتی وہاں اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''اب یہ بتادو میرے ساتھ جاؤ گی یا نہیں؟''

"آج میری کلاس ہے اور مجھے مارکیٹ تک بھی جانا ہے۔ایسا کرو تم چلی جانا میں ذرا لیٹ ہو جاؤں گی۔" گل نین کا لہجہ قدرے نرم تھا۔

****

آسمان پر سورج کی کرنوں نے اپنا جال پوری طرح بچھا دیا تھا۔کچن میں کھڑی در نجف ملازمین کے ساتھ مل کر کھانا بنا رہی تھی۔

"بھابھی آپ کو پتا ہے جو آنٹی ہمارے گھر آ رہی ہیں نا ان کی جو بیٹی ہے ابیہا، بھائی پے کرش تھا ان کا۔"

"اچھا۔" درے نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"ہاں نا اسلئے آج دعوت پر آ رہی ہیں وہ آپکو دیکھنے۔آپ نے اچھا سا تیار ہونا ہے۔"

"اچھا جی اور کچھ ؟"

درے نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے کہا۔

****

لانچ میں موجود مہمانوں سے ملنے وہ جب آئی تو وہاں بیٹھی جینز اور سفید ٹاپ میں ملبوس لڑکی نے بھنویں سکیڑ کر درے کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

لائٹ پنک کلر کی قمیض شلوار زیب تن کیے سر پر حجاب اور ہلکے پھلکے سے میک اپ میں وہ مزید خوبصورت لگ رہی تھی۔ ایہا نے چند لمحوں تک اسے بے تاثر نگاہوں سے دیکھا، اور پھر اٹھ کر ملی۔

ڈائننگ ٹیبل کو مختلف ڈشز سے سجانے کے بعد جب وہ سیلیڈ کی پلیٹ لیے واپس آئی تو عائش بھی کرسی سنبھال چکا تھا۔ سیاہ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس وہ عام سے حلیے میں تھا۔ وہ چلتی ہوئی اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔ مسز ابراھیم اور مسز سلیم باتوں میں مصروف تھیں۔ ایہا درے کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ کھا کم رہی تھی اور عائش اور درِ نجف کو دیکھ زیادہ رہی تھی۔

"یہ کباب بھی کھائیں ایہا آپی، بھابھی نے اپنی اسپیشل ریسیپی سے بنائے ہیں۔"

زحل نے اسے کباب چٹنی کے ساتھ پیش کیا۔

"نہیں زحل ایکچولی مجھے آنٹی کے ہاتھ کا پلاؤ بہت پسند ہے۔میں وہ ہی کھاؤں گی بس۔"

"ارے یہ پلاؤ ماں جی نے نہیں درے نے بنایا ہے۔" عائش نے بتایا۔

"تب ہی اتنا سپائسی ہے۔"

"ظاہر ہے مرچیں تو لگیں گی ہی۔"

پانی پیتی ہوئے ابیہا کو زور کا اچھولگا۔گلاس رکھ کر بری طرح سے کھانستے ہوئے اس نے زحل کو دیکھا۔

"میرا مطلب سپائسی ہے تو مرچیں تو ہوں گی ہی۔"

زحل نے ہنسی ضبط کر کے معصومیت سے کہا۔

درے نے نظر اٹھا کر ابیہا کو دیکھا۔اس نے سر پلیٹ کی طرف جھکا لیا۔عائش نے اپنی بائیں جانب بیٹھی زحل کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی تو وہ مسکرائی۔

****

پیرس،

رات بارہ بجے

ابلتے ہوئے پانی کو انسٹنٹ نوڈلز کے ڈبے میں انڈیلا تو شیلف پر رکھا فون بجنے لگا۔

ہلکی سی گردن پھیر کر شیلف پر رکھے اپنی فون سکرین کو دیکھا۔ جہاں "نیلی آنکھوں والا بندر" کالنگ لکھا آرہا تھا۔ وہ تھوڑا سا آگے آئی اپنے فون پر کال پک کی اور اگلے ہی پل ویڈیو کال آن ہو گئی۔

"تم دو دن سے میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہی۔" جبران کی خفگی بھری آواز اس کے کانوں میں گونجی مگر اس نے اس کی جانب نہ دیکھا۔ نوڈلز کو چاپ اسٹک کی مدد سے ہلاتے وہ اوپر نیچے کر رہی تھی۔

"تم نے میرے سناپ پے رسپانس نہیں کیا تھا۔"

جبران نے ایک نظر سکرین سے نظر آتی گل نین کو دیکھا، ڈھیلی سی سفید شرٹ کے نیچے کالی سویٹ پینٹس پہنی تھیں۔ بال ڈھیلی پونی میں قید تھے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

”ان ٹھیڑی میڑھی فضول پکچرز پر میں کیا ریسپانس کرتا؟“

اس نے نوڈلز کے باؤل کو میز پر رکھا اور کرسی گھسیٹتے بیٹھ گئی۔

”تم مجھے فضول کہہ رہے ہو؟“

”میں تمھیں نہیں پکچرز کو کہہ رہا ہوں۔“

”بات تو ایک ہی ہے نا۔“

وہ خفا ہوئی۔ جبران نے اس کے چہرے پر خفگی دیکھ ایک گہرا سانس لیا۔

”تم اپنی قدر کا اندازہ یہ دیکھ کر لگا سکتی ہو۔“

اس نے موبائل کا بیک کیمرہ کرتے ہوئے اپنے آس پاس پچھلی آفس کی فائلز دکھائیں۔ وہ یہ دیکھ ناراضگی ختم کرتی گھنٹوں باتیں کرتی رہی اور نوڈلز پڑے پڑے ٹھنڈے ہوتے گئے۔

****

وہ بے دھیانی سے چل کر آتی کچن کے شیلف کی طرف بڑھی۔ ہونٹ گول کیے سیٹی بجا رہے تھے۔ فریج کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے دروازہ کھولا۔ پانی کی بوتل نکال کر پانی گلاس میں انڈیلا اور گلاس لبوں سے لگا لیا۔

"تمہارا نیلی آنکھوں والا بندر کافی ہینڈسم ہے۔"

اس نے تبصرہ کیا۔

"لگتا ہے تمہاری آنکھیں خراب ہو چکی ہیں۔"

گل نین اسکرین کو دیکھتی لیپ ٹیپ کی کیز پہ انگلیاں چلا رہی تھی۔

"یہ تمہارا صرف کزن ہے یا سم تھنگ سم تھنگ؟" اس کے لبوں پر دبی دبی سے مسکراہٹ در آئی۔

"استغفر اللہ! تمھارے منہ میں کڑوا کریلا۔ دفع ہو جاؤ مجھے اسائنمنٹ بنانے دو۔"

اجالا زیر لب کوئی دھن گنگناتی ہوئی کمرے کی جانب مڑ گئی۔

****

در نجف واشروم سے باہر کمرے میں داخل ہوئی۔ گیلے بال تولیے میں قید تھے اور گلابی شرٹ پر قطرے گر رہے تھے۔ ہیئر ڈرائیر سے بالوں کو سوکھاتی وہ بیزار تھی۔ صوفے پر بیٹھا عائش اپنے کام میں مگن تھا۔ ایک نظر اس نے در نجف کے بیزار چہرے پر ڈالی پھر اٹھ کر اس کے ہاتھ سے جا کر ہیئر ڈرائیر لے لیا۔ درے نے شیشے سے ابھرتے اس کے عکس کو دیکھا۔

"آپ کے بال خوبصورت ہیں۔" اس نے سرگوشی کی۔

"اچھا؟" وہ اترائی۔

"اور میں؟"

"آپ کلونجی جیسی ہیں یعنی موت کے علاوہ ہر مرض کی شفاء۔"

اب بال سوکھ چکے تھے اور اپنے ازلی انداز میں تھے۔ مکمل سیدھے ریشمی بال۔ وہ مسکراتا ہوا واپس اپنی جگہ پر بیٹھ چکا تھا۔ درے کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اور اس کی مسکراہٹ عائش کی شاموں کو معطر کر دیتی تھی۔

****

پیرس،

نارنجی روشنی زمین کے ہر گوشے میں پھیل چکی تھی۔

اس کے میسج پر درے کا جواب آگیا تھا۔اس نے کہا تھا کہ وہ شام میں آن لائن ہو گی،تب وہ دونوں بات کریں گی۔

"کیسی ہو؟"اسکرین پر درنجف کا خوبصورت چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔وہ اسکرین کے سامنے سنگھار میز کی کرسی پر بیٹھی بات کرتے ہوئے سامنے پڑی پلیٹ میں سے کچا آم کھا رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیا کھا رہی ہیں؟"گل نین نے کہا۔

"کچے آم کے اوپر لال مرچی ڈال کر کھا رہی ہوں۔"

"اللہ اللہ بھابھی جاناں کچے آم کے ساتھ چاٹ مصالحہ چورن سنا تھا، یہ لال مرچ کون ڈال کر کھاتا ہے؟"

گل نین نے حیرت آمیز مسکراہٹ سجائے پوچھا۔

"میں کھاتی ہوں۔"

”اہم اہم خیر ہے نا؟“ کچے آم کا پیس اٹھاتی در نجف چونکی تھی۔

”مطلب؟“

”مطلب گوڈ نیوز؟“ اس کے لبوں سے پھسلا۔

در نجف چند لمحوں کے لئے چپ رہی تھی۔ پیس اس کے ہاتھ میں تھا لیکن وہ اسے منہ تک لے جانا بھول گئی تھی۔

”نہیں۔“ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

”تم کب واپس آرہی ہو؟“

”بہت جلد۔“

”جب تم واپس آؤ گی تو تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے۔“

”اچھا وہ کیا؟“ گل نین نے اچنبھے سے اسکرین کو دیکھا۔

”وہ تو جب آؤ گی تب ہی پتا چلے گا۔“

پھر گل نین اپنی روزمرہ کی روٹین، پڑھائی اور آخری سمسٹر کا رونا دھونا شیئر کرنے لگی۔

****

وہ لاؤنج میں مسز ابراہیم کے ساتھ خوشگپیوں میں مصروف تھی جب اچانک اس کا موبائل بجا

"اسلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" موبائل سے عائش کی مصروف آواز آئی۔

"میں رات میں آؤں گا ہمیں ایک دعوت میں جانا ہے تیار ہو جایئے گا۔"

"اچھا۔"

مسز ابراہیم سے اجازت لیتی وہ اٹھ کر دعوت پر جانے کی تیاری کرنے چلی گئی۔

****

عائش ابراھیم خان اس کالانچ میں کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ایک نظر کلائی میں بندھی گھڑی پر ڈالی اور دوسری نظر سامنے سیڑھیوں سے اترتی در نجف پر۔ ہائی ہیلز کی وجہ سے وہ بہت احتیاط سے سیڑھی اُتر رہی تھی۔

عائش کی نظر اس کے نازک سے سراپے پر جم گئی۔

اس نے پیسٹل گرین ڈبل فلیر انار کلی فراک پہنی تھی اور ساتھ ہم رنگ دوپٹہ ، بالوں کو کرل کر کے کندھے پہ ڈال رکھا تھا۔کانوں میں بھاری جھمکے چمک رہے تھے۔

"چلیں؟" در نجف نے اسے دیکھا۔

"جی۔" وہ پورے دل سے مسکرایا۔عائش نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہاں پہنچتے ہی باہر نکلتے،ایک تیز ہوا کے جھونکے نے درے کو کانپنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"چلیں زوجہِ خان!" اس کا ہاتھ تھامتے اسے اندر لے گیا۔

"مجھے یہ جوتے نہیں پہننے چاہیے تھے۔" درے نے سرگوشی کی لیکن وہ سن چکا تھا۔

شیشے جیسے فرش کو دیکھتے اس نے سرد آہ بھری۔وہ غلطی کر چکی تھی۔شاید وہ پہلی بار کوئی بزنس پارٹی اٹینڈ کر رہی تھی۔یہی وجہ تھی کہ وہ کچھ نروس تھی۔

"آپ وہاں بیٹھ جائیں،میں کچھ لوگوں سے مل لوں۔"

درے خاموشی سے وہاں بیٹھ گئی جہاں اس نے کہا تھا۔جوس کا گلاس لبوں سے لگاتی اس کی نگاہیں عائش کے اوپر ٹکی تھیں۔اس پوری دعوت میں سب سے منفرد دکھنے والا وہ مرد تھا۔اور یہی وجہ تھی کہ کافی صنف نازک کی نظروں کا مرکز وہی تھا۔در نجف نے ارد گرد دیکھا،سب کی نظر اس پر تھی۔وہ چلتا در نجف کے پاس آیا اور اپنے فرینڈز کی وائف سے اس کو متعارف کروایا۔سب سے مل کر اس کو اچھا لگا۔

وہ سب ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتی تھیں۔ان کا لباس،زیبائش،اطوار سب مختلف تھا۔درے کو یکدم اپنا آپ عجیب لگا۔وہ ان میں مس فٹ تھی۔وہ کنفیوز سی نظر آرہی تھی۔عائش نے کچھ سوچتے جھٹ سے اس کے کان دیکھے جو ہلکے سے سرخ تھے۔

پھر عائش نے درے کے دائیں کان سے جھمکا اتارا۔لوگوں نے حیرت سے یہ منظر دیکھا تھا۔پھر بائیں کان کا جھمکا اتارتے اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔اور

اس کے کانوں کو اپنے پوروں سے سہلانے لگا۔آس پاس سب کے چہروں پر ایک سے تاثرات تھے۔رشک اور حسد کے ملے جلے تاثرات۔

****

پیرس

شام چھ بجے

اس نے بلیو جینز کے اوپر سفید شرٹ،اور کالا اسٹائلش سا گھٹنوں تک آتا کوٹ پہن رکھا تھا۔لونگ بلیک بوٹ۔ریشمی بال اسکے شانوں پہ اڑ رہے تھے اور کاجل کے ساتھ ہلکی مسٹرڈ شیڈ لپسٹک۔

وہ ہمیشہ کی طرح پرکشش لگ رہی تھی۔کندھے پر بیگ لٹکائے میٹرو اسٹیشن پر کھڑی وہ انتظار کر رہی تھی۔آسمان پر سیاہ بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔

ایک سفید رنگ کی کار اس کے سامنے آکر رکی۔

"مس خان۔"

اس کی نظر کار میں بیٹھے شخص پر پڑی۔وہ اس کو ہی دیکھ رہا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"آجائیں میں آپ کوڈراپ کردیتاہوں۔"اس نے آفر دی۔

"نہیں میں چلی جاؤں گی شکریہ۔"

"مس خان موسم خراب ہے کبھی بھی بارش ہوسکتی ہے۔"

"نہیں۔۔۔۔۔"

ابھی وہ جملا مکمل کرتی کہ بادل زور سے گرجے اور موٹی موٹی بوندیں پانی میں گرنے لگیں۔ایک دم سارا پیرس بارش میں بھیگ گیا۔

بارش تراتر برس رہی تھی۔موٹے موٹے قطرے اس پہ گر رہے تھے۔وہ بارش سے بچتی تیز تیز چلتی کار میں جابیٹھی۔ارتضیٰ کے چہرے پر گل نین کو دیکھ کر مسکراہٹ آئی مگر طنزیہ نہیں۔

"مس خان آپ پر کافی ادھاری ہے۔"اس نے یاددہانی کروائی۔

"دراصل میرا شیڈیول بہت بزی چل رہاہے جس کی وجہ سے مجھے وقت نہیں مل رہا۔"وہ ذراشرمندہ سی بولی۔

"یہاں سے لیفٹ لے لیں۔"اس نے راستہ بتایا۔

www.novelsclubb.com

”اچھا چلیں جب آپ کے پاس وقت ہو۔“

”جی بس یہاں پر روک دیں آگے میں خود چلی جاؤں گی۔“

اس نے اپنے اپارٹمنٹ سے ذرا فاصلے پر کار رکوائی۔اس کا شکریہ ادا کرتی وہ گلی میں مڑ گئی۔ارتضی کی نظروں نے گل نین کا دور تک تعقب کیا۔

****

صبح کی نم ہوا بار بار کلاس روم کے شیشیوں سے ٹکرا کر واپس پلٹ جاتی۔

انگلش کے پروفیسر اپنے مخصوص انداز میں لیکچر دے رہے تھے۔

گل نین کے ساتھ بیٹھی اجالا بظاہر توجہ سے لیکچر سنتی رجسٹر پر لکھ رہی تھی۔وہ ہر منٹ چند الفاظ لکھ کر سر اٹھا کر پروفیسر کو دیکھتی،ذرا غور سے ان کے اگلے الفاظ سنتی اور پھر سمجھ کر سر ہلاتی اور دوبارہ لکھنے لگ جاتی۔گل نین نے ایک نگاہ اس کے رجسٹر پر ڈالی۔

”تم کل کس کے ساتھ واپس آئی تھی؟“

الفاظ لکھ کر اس نے گردن سیدھی کر کے پورے اعتماد سے پروفیسر کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟" اسے شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا۔

"میں نے دیکھا تھا کہ تم کل کسی سفید کار میں آئی تھی۔"

اس نے رجسٹر آگے پاس کر دیا اور پھر ذرا ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"ویسے وہ کار والا بندہ کافی ہنڈسم تھا۔" اس نے ہلکی سی سرگوشی کی۔

سینے پر بازو لپیٹے مسکراہٹ دبائے اس نے گردن موڑ کر گل نین کو دیکھا جو مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"یو مس اسٹینڈ اپ۔" پروفیسر نے مسکراتی گل نین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یس سر۔"

"آپ مسکرا کیوں رہی ہیں؟"

"سر وہ۔۔۔" گل نین نے بوکھلاتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" پروفیسر گرجے تھے۔

"سر یہ میں نے نہیں۔۔۔" گل نین منمنائی تھی۔

www.novelsclubb.com

"جسٹ شٹ اپ اینڈ گیٹ اوٹ فرام مائی کلاس۔"

گل نین کے کلاس سے نکلنے کے بعد پروفیسر غصے سے بڑبڑاتے ہوئے بورڈ کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اجالا کی آواز پر واپس پلٹے۔

"سر۔۔۔"

"یس؟" پروفیسر نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔

"سر وہ میں بھی جاؤں؟ وہ گل نین نہیں ہے تو میں بور ہوں گی نا۔۔" اجالا نے معصومیت سے کہا تو ساری کلاس ہنسنے لگی۔

"آؤٹ یو نان سینس۔"

پروفیسر کا غصہ ساتویں آسمان تک پہنچ چکا تھا۔ وہ کلاس سے نکل کر سیدھی کینٹین میں جا پہنچی۔

"مجھے پتا تھا تم یہیں ملو گی۔"

"دفع ہو جاؤ تمہارا نام اجالا نہیں اندھیرا ہونا چاہیے تھا۔"

گل نین اس کو گھورتی آگے بڑھ گئی۔وہ بھی دانتوں کی نمائش کرتی اس کے پیچھے لپکی۔

****

اجالا نے دروازہ کھولا تو وہ اسے آئینے کے سامنے کھڑی دکھائی دی۔وہ دروازہ بند کر کے آگے آئی اور گل نین کے سامنے کھڑے ہو کر پوری فرصت سے اور بہت مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

اس نے نیلے رنگ کا گاؤن پہن رکھا تھا اور میک اپ کے نام پر لبوں پہ چمکتی گلابی لپ اسٹک، آنکھوں میں کاجل لگا یا ہوا تھا اور بال یوں سیٹ کر رکھے تھے کہ اوپر سے سیدھے آتے بال کانوں کے نیچے سے مڑ کر گھنگریالے ہو جاتے تھے۔بلا شبہ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

"کدھر کی تیاریاں ہیں؟"اجالا نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"یہ ذرا مارکیٹ تک جا رہی ہوں۔"اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"اتنا تیار ہو کر؟"

''ہاں کوئی تکلیف ہے؟''اس کے بار بار سوال کرنے پر گل نین نے اسے آنکھیں نکالیں۔

''مجھے کیا، جاؤ جہاں جانا ہے ویسے بھی تمہاری کل والی سناپ دیکھ لی تھی میں نے۔''

وہ کندھے اچکاتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگی اور آخر میں کہہ کر بھاگ گئی۔اس کی بات کا مفہوم سمجھتے گل نین مسکرانے لگی۔

****

ہفتے کی رات تھی، توکوپا گیلری روشنیوں میں نہائی، رنگوں اور قمقموں سے سجی، رونق کے عروج پر تھی۔اس گلی کی دونوں جانب چمکتے شیشوں والی شاپس اور ریسٹورنٹس تھے۔کیفے کا ماحول اس کو ایک حسین خواب سا تاثر دے رہا تھا۔وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی ریسٹورنٹ کے مینیجر نے بذات خود آگے بڑھ کر اسے ویلکم کیا۔

"مس خان؟" گل نین نے اس کو دیکھا۔ مینجر نے ایک لال گلابوں کا بکے اس کو تھمایا۔

وہ ناسمجھی سے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے آگے کو چل پڑی۔ چند ٹیبلز کے درمیان سے گزرتے، تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک ٹیبل کے پاس جا کر رک گئی۔ ارتضیٰ بالکل اُس کے سامنے سوٹ بوٹ میں بیٹھا تھا۔ اس کی نظر جیسے ہی گل نین پر گئی تو وہ کھڑا ہو گیا۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح کتنا ہینڈسم لگ رہا تھا۔

"پلیز۔۔" ارتضیٰ نے مہذب انداز میں گل نین کے لئے کرسی کھینچی۔ وہ بنا کچھ کہے خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بہت شکریہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے ٹائم نکال کر آئیں۔"

وہ کافی کنفیوزڈ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"آرڈر کر لیں؟"

"دعوت آپ ہے تو آپ ہی کریں۔" اس نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور مینیو کارڈ اٹھا کر انہماک سے پڑھنے لگا۔

آرڈر کر چکنے کے بعد وہ میز پہ کہنیاں رکھے، دونوں ہاتھ آپس میں پھنسائے ارتضیٰ کی طرف متوجہ ہوئی اور ذرا سا مسکرائی۔

"شکریہ اگر اس دن آپ مدد نا کرتے تو میں اپنے بھائی جاناں کی شادی مس کر دیتی۔" اس کی آواز خوبصورت ساز جیسی تھی۔

"مجھے آپ کی مدد کر کے اچھا لگا مس خان"

اس نے رک کر گل نین کے تاثرات دیکھے۔ وہ مسکرائی۔

کچھ ہی دیر میں ویٹر کیپی چینو اور براونیز لے آیا۔ جسے کھاتے ہوئے وہ باتیں کر رہے تھے۔

"اگلی دعوت کب دے رہی ہیں پھر آپ؟" کیفے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے پوچھا تو گل نین نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"اس دن بارش میں لفٹ دی تھی آپ کو۔" شوخی سے استفسار کیا۔

چند سیکنڈز کا وقفہ۔ دونوں نے بروقت قہقہہ لگایا تھا۔ وہ شخص گل نین کو نرم گفتار، خوش مزاج اور صاف گو لگا تھا۔

****

وہ شیلف کے پاس کھڑی تھی۔ نائٹ سوٹ پہ سفید ایپرن پہنے، ہاتھ میں چھری لیے وہ کٹنگ بورڈ پہ رکھے ٹماٹر کو کھٹا کھٹ کاٹ رہی تھی۔

"کیا بنا رہی ہو؟"

گل نین نے کچن کے باہر کھڑے ہو کر پوچھا تو اس کا تیزی سے چلتا ہاتھ رکا۔

اجالا نے گردن اٹھا کہ اس کو دیکھا کو اس نے دائیں ہاتھ میں ہینڈ بیگ اور بائیں ہاتھ میں لال گلاب کا بکے اٹھایا ہوا تھا۔

"اپنے لئے چاؤمین۔" اس نے لفظ اپنے کو خاصا کھینچا تھا اور واپس ٹماٹر کی طرف متوجہ ہوئی۔

گل نین نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر وہ کچن میں رکھی ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ کر، ساتھ ٹیک لگائے، بازو سینے پر لپیٹ کر، زیرلب مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے بھی بھوک لگی ہے۔" اس نے اطلاع دی۔

"کیوں اس نے صرف پھول دے کر چلتا کیا ہے؟"

وہ سر جھکائے ایک ہاتھ سے گوشت کا ٹکڑا پکڑے کھٹ کھٹ چھری چلا رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" اسے شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا۔

"جو بھی سمجھو۔" وہ اب نان اسٹک ساس پین میں چمچ چلا رہی تھی۔

"ناراض ہو؟" گل نین نے شیلف کے سامنے آکر مسکین سی شکل بنا کر پوچھا۔

"نہیں۔"

"یار بس ایک دوست مل گئی۔ اس کے ساتھ کافی پی لی اور یہ بوکے بھی اس نے دیا ہے۔" گل نین نے اس کو مناتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔"اس نے چولہے کی ہیٹ کم کرتے ہوئے اسے دیکھ کر کہا۔

"تم جلدی سے بنالو پلز میں کپڑے بدل کر آئی۔پر مجھے بڑی زور کی بھوک لگی ہے۔"

اس نے بچوں کی طرح پیٹ پر گول گول ہاتھ گھومایا۔اس کی اس حرکت پر اجالا کا چہرہ کھل گیا۔

"ایک شرت پر اگر تم مجھے کل اپنی اس دوست سے ملواؤ گی تو۔"

اجالا نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔گل نین مسکراتے ہاں میں سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

****

دن پلک جھپکتے ہی گزر جاتا تھا۔یہ سورج طلوع ہوا اور یہاں چاند نکلا۔

"درے اگر طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں یا گھر پہ بلا لیتے ہیں۔"عایش نے اس کو سر پکڑے صوفے پر بیٹھا دیکھ کر کہا۔

"نہیں بس ٹھیک ہو جاؤں گی ابھی۔"کہتے ہوئے وہ اٹھی۔

"ہر گز نہیں میں کل سے دیکھ رہا ہوں آپ بہت سست نظر آ رہی ہیں۔"

کچھ دیر میں وہ دونوں ہسپتال میں موجود تھے۔ڈاکٹر رپورٹس دیکھ کر مسکرا کے در نجف کو دیکھا رہی تھی۔شاید رپورٹس ٹھیک تھیں لیکن عائش کی ابھی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

"سب ٹھیک ہے؟" عائش نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"کانگریچولیشنز آپ کی مسز ایکسپیکٹ کر رہی ہیں۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر عائش سے کہا۔عائش اور درے نے دم سادھے ایک دوسرے کو دیکھا۔درے سارے راستے خاموش رہی تھی۔اور عائش نے یہ بات بخوبی نوٹ کی۔

وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے تو مسز ابراہیم لانج کے صوفے پر ان کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھیں۔زحل پاس بیٹھی ٹی وی دیکھنے میں مگن تھی۔

"کہاں گئے تھے آپ لوگ بچہ؟"

"درے کی طبعیت خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا ماں جی۔"

"کیوں کیا ہوا۔" انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔

"زحل پھوپھو بنانے والی ہے۔"

عائش کی بات پر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ مسز ابراہیم نے اٹھ کے اس کی پیشانی چومتے ہوئے اس کو گلے لگایا۔ زحل جو آنکھیں پھاڑے سچویشن سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، ایک دم خوشی سے چیخی۔

"کیا میں پھوپھو بننے والی ہوں؟ مطلب چھوٹو سا بے بی آنے والا ہے ہپ ہپ حررے۔"

آہستہ بولو کیوں میرے کانوں کے پردے پھاڑنے ہیں۔"

عائش نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا۔

"میں گل نین جاناں کو بتا کر آتی ہوں۔" وہ خوشی سے بھاگ کر کمرے میں چلی گئی۔ وہ تینوں اس کی حرکتیں دیکھ مسکرائے۔

****

"کیا ہوا؟ آپ چپ کیوں ہیں؟" درے کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"عائش مجھے یقین نہیں ہو رہا۔" اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"اس میں رونے والی کیا بات ہے زوجہِ خان۔ یہ تو اتنی بڑی خوش خبری ہے۔"

اس نے درے کے گال پہ بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"وہ پروردگار کتنا مہربان ہے ناعائش جس سے میں نے ہمیشہ شکوے کیے۔ اس کے باوجود بھی اس نے مجھے آپ جیسا شوہر اور اتنی بڑی خوشی عطا کی۔"

وہ اس کے دونوں ہاتھ لبوں سے لگا کے آنسوؤں سے رو رہی تھی جس کے قطرے عائش کے ہاتھ پر گر رہے تھے۔

"بے شک وہ رب بہت مہربان ہے۔"

فَبِاَيِّ آلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (سورۃ رحمٰن:۴۷)

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

****

پیرس

صبح نو بجے

دن ڈھل کر غروب ہوا، شام سے رات آئی اور اسی رات میں پیرس کی بنی ایک سڑک کی طرف آؤ تو گاڑیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ رات کا وقت تھا۔ ہر طرف اندھیرے کا عالم تھا۔ وہ چہل قدمی کرتا ہوا ایک گراؤنڈ کی جانب بڑھا۔ گراؤنڈ کے اندر فٹ بال کھیلتا نفس، وہ کوئی جانا پہچانا سا انسان تھا۔ نقوش دلکش، بھوری آنکھیں۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جو اس کے چہرے پہ آکر گا تو وہ سر جھٹکتے گراؤنڈ میں داخل ہوا اور زرد روشنی میں ڈوبی ایک سیٹ پر جا بیٹھا۔ اور نظریں سامنے فٹبال کھیلتی لڑکی پر جم گئیں۔

فٹبال کو پاؤں سے روندتے کبھی ادھر کرتی کبھی ادھر کرتی، وہ کھیل رہی تھی۔ فٹبال گل نین کے پاؤں سے لگتی اس کے ساتھ ساتھ اجالا کے گول پوسٹ کی طرف بھاگ رہی تھی۔ وہ سامنے دیکھتی سب سے بے نیاز شوٹ کرنے لگی تھی کہ اس کی نظر دور سیٹ پر بیٹھے اس وجود پر پڑی۔ اس نے گول پوسٹ کے قریب دیکھے بغیر فٹبال شوٹ کر دی تھی۔ فٹ بال اجالا نے روک لی تھی۔ اور

اس کی آواز میں جیت گئی پورے گراؤنڈ میں گونج رہی تھی۔وہ بازو باندھے اس کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔

"ویل ڈن آپ بہت اچھا فٹبال کھیلتی ہیں۔"اس کی سیاہ آنکھیں گل نین کے چہرے پر جھک گئی تھیں۔

"شکریہ۔"

وہ بغیر کسی کی پرواہ کیے،اسے بنا پلک جھپکے دیکھ رہی تھی۔البتہ اجالا خوشی سے نعرے لگاتی اپنی جیت کے گراؤنڈ کے گیٹ تک جا پہنچی۔

"گل نین آ بھی جاؤ۔"اجالا کی آواز وہ گڑبڑا گئی۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتی گراؤنڈ سے باہر چلی گئی۔

www.novelsclubb.com

****

"وہ بہت ہینڈسم تھا۔"

"افففف میں کیوں اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

اس نے بیڈ پر کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔

“I am in love?”

“Ohhhh no!”

وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”یہ مجھے ٹین ایجرز جیسی فیلنگز کیوں آرہی ہے؟“

وہ جھنجھلاتی بیڈ سے اٹھ کر سلیپرز پہنتی بالکنی میں جا کھڑی ہوئی۔

کیا واقعی اسے محبت ہوگئی تھی؟ یا صرف وقتی اٹریکشن؟ کیا محبت صرف ٹین ایجرز کو ہوتی ہے۔۔۔۔۔

****

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ گل نین کا سمسٹر ختم ہونے میں چند ماہ رہ گئے تھے۔ وہ مارکیٹ سے گھر کا کچھ سامان لے کر آرہی تھی۔ جب اسے ذرا فاصلے پر ارتضیٰ اپنی گاڑی کا بونٹ کھولے پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کی طرف آئی۔

“Is everything okay Mr.Malik?”

گل نین کی آواز پر ارتضیٰ نظر اس کی جانب گئی۔

"جی کار کو مسئلہ ہو گیا ہے۔مکینک کو کال کی ہے وہ بس آنے ہی والا ہے۔"

"اوا چھا میرا اپارٹمنٹ یہیں نزدیک میں ہے۔آپ چاہیں تو مکینک کے آنے تک وہاں انتظار کر سکتے ہیں۔"اس نے موسم کی خرابی دیکھتے ہوئے آفر کی۔

وہ اس کی یہ پیشکش قبول کرتا اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

"آپ کافی پیئیں گے؟"

"آپ بنا رہی ہیں تو ضرور۔"وہ مسکرا کر بولا تھا۔مگر کچن کی طرف بڑھتی گل نین نے مڑ کر اسے دیکھا ضرور تھا۔

وہ سر جھٹک کر کچن میں داخل ہوئی۔

"آپ اس اپارٹمنٹ میں اکیلی رہتی ہیں؟"

وہ کیبنٹ کھول کر چند ڈبے نکال رہی تھی جب اس کو ارتضیٰ کی آواز آئی۔

"نہیں میری فرینڈ اجالا بھی میرے ساتھ رہتی ہے۔"

وہ کہہ کر کافی بنانے میں مصروف ہو گئی۔

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"گل نین!!!!" اجالا حواس باختہ سی چلاتی ہوئی لانچ میں داخل ہوئی۔

"اوہ، السلام علیکم!" ارتضیٰ کو دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی۔

"وعلیکم السلام!" ارتضیٰ نے پلٹ کر اسے جواب دیا۔

"آپ کی تعریف۔"

"آپ کر سکتی ہیں۔" اس نے شوخیہ انداز میں اپنے کوٹ کی سلیوز ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"اجالا یہ مسٹر ارتضیٰ ملک ہیں جنہوں نے بھائی جاناں کی شادی میں جانے کے لیے میری مدد کی تھی۔"

وہ دو کپ کافی ہاتھ میں تھامے لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"اوا چھا۔۔۔آپ سے مل کر اچھا لگا مسٹر ملک۔ ٹیک یور ٹائم گائز۔" وہ گل نین کو دیکھ کے معنی خیز مسکراتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

****

ارتضی کے جانے کے بعد وہ اجالا کے لیے کافی بناتی اس کے کمرے میں چلی گئی۔

"یہ لو۔"

ہاتھ میں کافی کا کپ لیے گل نین اجالا کے ساتھ بیڈ پہ آکر بیٹھی۔اجالا نے اسکے ہاتھ سے کپ لے لیا۔

"تھینک یو۔"

وہ سنجیدگی سے کہہ کر دوبارہ لیپ ٹاپ میں چلتی فلم کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"ویسے مسٹر ملک بھی ٹھیک ہیں لیکن نیلی آنکھوں والا بندر زیادہ ہینڈسم ہے۔"

اس نے پتے کی بات بتائی۔

"اچھا لیکن مجھے تو نہیں لگتا۔"

اس نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔پھر سکرین کو دیکھتے ہوئے اسکی آنکھیں چمکیں۔

"ہاں تمہیں کوئی اور جو لگتا ہے۔"

"اللہ اللہ!" وہ مسکرائی۔

"لگتا ہے آئی فل ٹاور کو مینار پاکستان سے محبت ہو گی ہے۔" وہ گل نین کے چہرے پر نظریں جمائے بولی۔

"دفع ہو جاؤ ذلیل لڑکی۔" اسکرین کھٹ سے گرادی۔اور اٹھ کر باہر کی طرف بڑھی۔

"نظر نظر میں حال دل کا پتا چلتا ہے۔" اجالا اس کو چھیڑتے ہوئے پیچھے سے گنگنائی تو گل نین مسکرا دی۔

****

"کیا دیکھ رہی ہیں زوجہِ خان اس کو کھائیں۔" ہاتھ میں سیب کی پلیٹ لئے کہا۔ درے نے اسکے ہاتھ سے پلیٹ لے لی۔عائش نے اسکی پشت پر تکیے درست کیے۔خود وہ اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

"میرا یہ دل دہی بھلے کھانے کا کر رہا۔"

وہ سیٹ ہو کر بیٹھی اور پلیٹ کو سائیڈ پر رکھتے مطالبہ کر دیا۔عائش نے اس کی بات کو اگنور کرتے فروٹ کی پلیٹ واپس اسکے ہاتھ میں تھمائی۔

"چپ چاپ یہ کھائیں،ڈاکٹر آپ کو دیکھ کر کہہ رہی تھی کہ آپ کہیں سے بھی سکس منتھ پریگننٹ نہیں لگتیں۔اسلئے آپ کی ڈائٹ پہ توجہ دی جائے۔"وہ سنجیدگی سے کہہ کر موبائل کی جانب متوجہ ہو گیا۔درے نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔اس کو چپ چاپ کھاتا دیکھ عائش مسکرایا۔اسکا چہرہ بھرا بھرا ہونے لگا تھا،پیروں میں سوزش بڑھ گئی تھی۔اس پر ممتا کا روپ چڑھا ہوا تھا جو اسے مزید خوبصورت بنا رہا تھا۔

****

شام کا وقت تھا۔آسمان میں اڑتی رنگ برنگی پرندوں کی ٹولیاں مستی سے سرشار اس خوبصورت پیرس کے چکر کاٹ رہی تھیں۔

"کس کو کال کر رہی ہو؟"اس کے سوال پر گل نین نے چونک کر اپنی دائیں طرف دیکھا۔

www.novelsclubb.com

"مسٹر ملک کو۔" گل نین نے ہونٹ کاٹے۔

"میری کالز تو فوراً پک کر لیتے ہیں۔ پتہ نہیں کچھ دن سے کیا ہوا ہے۔" وہ بے دھیانی میں کہہ گئی۔ اجالا چندپل شوخ نظروں سے اسے دیکھتی رہی، کال ملاتی گل نین رک گئی۔ دوسری طرف سے کال پک کر لی گئی۔ گل نین کے پریشان چہرے پر مسکراہٹ ابھری لیکن کال پر بات کرتے ہی مسکراہٹ سمٹی۔

"کون سے ہسپتال؟"

"اوکے۔"

"کیا ہوا سب ٹھیک ہے؟"

"مسٹر ملک کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے وہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔" اس کے لب آہستگی سے پھڑپھڑائے تھے۔ بامشکل اس کی آواز اجالا تک پہنچ سکی۔

"اوو میں بھی چلتی تمھارے ساتھ گل نین لیکن مجھے ایک ضروری کام ہے۔ پھر کبھی چلی جاؤں گی، میری طرف سے بھی پوچھنا ان سے۔"

اجالا کی بات پر وہ محض سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

****

چند روز قبل،

پیرس کی سڑکیوں پر اس وقت بہت رونق لگی ہوتی تھی رات میں اس کی خوبصورتی میں مزید چار چاند لگ جاتے تھے۔چاند کی روشنی میں وہ دونوں سڑک کے کنارے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھامے باتیں کرتے ہوئے آرہی تھیں۔

سڑک کے دونوں جانب کی اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں۔وہ دونوں سڑک کراس کرنے لگیں،جب تین چار بائیکس گول دائرے کی صورت میں ان کے گرد گھومنے لگیں۔اجالا نے ہلکی سی چیخ مار کر گل نین کا بازو کس کے پکڑ لیا۔

"یااللہ جلدی سے کوئی ہیرو بھیج دے ہمیں بچانے کیلئے۔"

"کوئی ہیرو نہیں آنے والا آئی سمجھ! ہمیں خود اپنی حفاظت کرنی ہے۔" گل نین نے چونک کر گردن ترچھی کر کے اجالا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک لڑکا اڑتا ہوا ان کے قریب بڑھ رہا تھا۔اجالا کے چہرے کا تو رنگ اڑ چکا تھا۔شاید وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ساتھ جو کھڑی تھی،وہ شیرنی تھی۔ان جیسے گیدڑوں کو اچھے سے سنبھال سکتی تھی۔

"اوو پہلے تم مار کھانا چاہتے ہو۔اوکے اجالا یہ بیگز پکڑنا۔"گل نین نے معصومیت سے کہا۔لڑکے حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ایک لڑکا بائیک سے اترتا اجالا کی طرف بڑھ رہا تھا۔گل نین کا دماغ گھوما۔اس نے پاس کھڑے لڑکے کے چہرے پر کھینچ کر پنچ مارا باقی تین لڑکے گنگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"اوپسس سوری ون مور ٹرائے۔"

اس نے کھینچ کر ٹانگ اس کے پیٹ میں ماری۔اس نے اس لڑکے کو اچھا خاصہ پیٹ ڈالا۔

www.novelsclubb.com

”تم سب اگر اپنے خوبصورت چہرے کا نقشہ نہیں بگاڑنا چاہتے تو بھاگ جاؤ یہاں سے۔“ باقی تینوں لڑکوں نے جلدی سے بائیک سٹارٹ کی اور بھاگ گئے۔ وہ اس لڑکے کی جانب جھکی تو وہ لڑکا ڈر گیا۔

”خانزادی ہوں میں، دماغ کے ساتھ ساتھ خون بھی گرم ہے۔ اب نکل!“

گل نین کا لہجہ ایک دم سخت ہوا تھا۔ وہ لڑکا بائنک سٹارٹ کرتا دم دبا کے بھاگ گیا۔ اجالا جلدی سے گل نین کے گلے لگی۔ اس نے تھپکی سے تسلی دی۔

“I am so proud of you gull jaan”

اجالا کا اٹکا سانس بحال ہوا۔ اور اسی پل ارتضیٰ کی کار عین ان کے سامنے آ رکی۔

www.novelsclubb.com

”کیا آپ لوگ ٹھیک ہیں؟“

اس نے پاس سے گزرتی بائیک دیکھ کر پریشانی سے کہا۔

”اووو آپ لیٹ ہو گئے مسٹر ملک۔ خیر غلطی بھی آپ کی نہیں ہے ہماری مصنفہ نے آپ کی انٹری لیٹ کی ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں چھوڑیں اس کو یہ اسے ہی فضول بولتی ہے۔“

گل نین کی بات پر اجالا نے منہ بسورا۔

****

موجودہ وقت،

ہسپتال کے صاف ستھرے حصے میں ایمرجنسی وارڈ موجود تھا۔ بہت سے مریض سفید فرش پر رکھی کرسیوں پر انتظار کر رہے تھے۔ ریسپشن پر موجود لڑکیاں فون کان سے لگائے، نرم لہجے میں بول رہی تھیں۔ وہاں گہما گہمی تھی لیکن شور محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس نے نیلی جینز پر خاکی شرٹ پہن رکھی تھی۔ سر پر حجاب کیا ہوا تھا۔ ہاتھ میں تھامے لال گلاب کا گلدستہ لئے وہ ارتضی کے کمرے کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔

کمرے کے دروازے کے باہر کھڑے اس کو اندر ارتضیٰ کے ساتھ کسی اور کی بھی موجودگی کا احساس ہوا۔

"ہاں بھئ مان گئے تجھے۔ آخر کار تونے پھنسا ہی لیا اس کو اپنے جال میں۔" گل نین کے قدم ایک دم ساکت ہوئے۔

"کیا نام تھا اس کا نین؟"

"گل نین ابراھیم خان۔" ارتضیٰ کی آواز خاموش کمرے میں گونجی۔

"در نجف کو پھر سے حاصل کرنے کے لئے تونے کتنے چکر کاٹے ہیں اس کے آگے پیچھے۔"

گل نین کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ اس نے زیر لب در نجف کا نام دہرایا۔

"اس کو امپریس کرنے کے لیے تو نے وہ لڑکے ہائر کیے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس نے ان لڑکوں کو پیٹ ڈالا۔"

"ہاں یہ سب میں نے اسلئے کیا تھا لیکن۔" اسے لگا تھا وہ ہل نہیں سکے گی۔ الفاظ نہیں تھے تھپڑ تھے جو گل نین کے دل پر لگے اور اسکا دل پھٹنے کے قریب ہو گیا۔ اس نے سانس روک لیا تھا۔ پیروں سے جان نکلنے لگی۔

"مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔وہ بہت معصوم ہے یار میں چاہ کر بھی اس کے بارے میں کچھ غلط سوچ پاتا ہوں نہ سمجھ پاتا ہوں۔اور جب وہ میرے ساتھ ہوتی ہے تو مجھے یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میرے ارد گرد کیا ہو رہا۔"اس کی آواز میں کرب تھا۔

اسکے قدم لڑکھڑائے، آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہو گئیں۔وہ ماضی میں کھو گئی۔

(گل نین چلتی ہوئی در نجف اور عائش کے کمرے کی جانب گئی جہاں ادھ کھلے دروازے سے نکلتی روشنی باہر فرش پر گر رہی تھی۔دروازے سے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو در نجف عائش کی گود میں سر رکھے اس کو اپنے ماضی کا بتا رہی تھی۔وہ کچھ دیر باتیں سنتی رہی پھر وہاں سے ہٹ گئی۔وہ مزید نہیں سن سکتی تھی وہ سب بہت تکلیف دہ تھا۔)

"یہ ارتضیٰ ملک نہیں بلکے سبطین ملک ہے۔"

دل دھڑک رہا تھا یا پھٹ رہا تھا اسے اندازہ نہیں ہو سکا۔ یہ اسکی زندگی کا سب سے غیر یقینی لمحہ تھا۔ وہ رات کوئی عام رات نہیں تھی۔ انکشاف کی رات تھی۔ ہسپتال کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا اور اب وہ سڑک پر بے منزل چل رہی تھی، سڑک بہت طویل تھی۔ وہ اس سڑک پر چلتی کہیں بہت دور نکل آئی تھی۔۔۔ دور بہت دور۔ وہ داخلی دروازے سے اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی۔ اس نے رخساروں کو چھو کر دیکھا تو وہ بھیگے ہوئے تھے۔

وہ خاموشی سے کمرے میں چلی آئی۔ اسکے اندر بے پناہ تھکن نے بسیرا کر لیا تھا۔ اجالا نے اسکے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے بجایا اور پھر آہستہ سے جونہی دروازہ کے اندر جھانکا تو گل نین کی انتہائی تھکی تھکی سی آواز ابھری۔۔

"میں کچھ دیر اکیلے رہنا چاہتی ہوں اجالا۔"

وہ اسے ابھی پوری بات کی تفصیل بتانے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ اجالا نے سمجھ کر سر اثبات میں ہلایا اور پھر دروازہ بند کیے واپس پلٹ گئی۔ وہ خاموش نگاہوں سے چھت کو تکتی رہی۔ آنکھوں کی سرخی چہرے کے رنج کا استضار کر

رہی تھی۔ گل نین کو اس وقت لگ رہا تھا کہ ولیم شیکسپئر جھوٹ بولتا ہے۔ اس نے غلط لکھا کہ تمہارے دل کے ہزار ٹکڑے بھی ہو جائیں تو دنیا نہیں رکے گی۔ اُسے لکھنا چاہیے تھا کہ ایک دل ٹوٹنے پر انسان کے علاوہ پوری کائنات رُک جاتی ہے۔۔۔انسان کے علاوہ پوری کائنات۔ پہاڑ لرزنے لگتے ہیں۔ زمین کانپنے لگتی ہے۔ آسمان پھٹنے لگتا ہے۔ چاند تاریک پڑ جاتا ہے۔ ہوا۔۔۔ہوا تو بند ہو جاتی ہے۔ پرندے پرواز کھو دیتے ہیں۔ کسی کا دل ٹوٹنے کے بعد ہر آتی سانس کے ساتھ زمین پر ایک درخت بوڑھا ہو جاتا ہے۔ ٹوٹے دل والوں کی سانس فضا کو زہریلا کرتی ہے۔ سانپ ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ تہہ سمندر سیپ میں پڑا موتی لہو ہو جاتا ہے۔ اور۔۔۔کیوں نہیں لکھا اُس نے کہ دل ٹوٹنے پر انسان اندرونی موت مر جاتا ہے۔

****

کتنی دیر وہ یونہی بے سدھ لیٹی رہی، اسے علم نہ ہو سکا۔ یکایک دروازے پر دستک ہوئی تو اگلے ہی پل اسکے کمرے میں اجالا انتہائی خاموشی سے داخل ہو رہی

تھی۔چوکھٹ سے اس کا نیم رخ ہی نظر آتا تھا، پھر بھی وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ رو رہی ہے۔اس کا دل ایک دم بہت زیادہ دکھا۔وہ دبے قدموں چلتے ہوئے اس کے قریب آئی۔

"گل نین!"

وہ آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"گل نین کیا تم ٹھیک ہو؟" وہ بیڈ پر اس کے ساتھ بیٹھی اور اس کا ہاتھ تھاما۔

"سر میں درد ہے؟" اس نے ہولے سے پوچھا۔گل نین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹیبلیٹ لی ہے کوئی؟"

"نہیں!" وہ ہتھیلی کی پشت سے گیلے رخسار رگڑتے ہوئے بولی تو آواز بھاری تھی۔

"صرف یہی بات ہے؟" اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے گھر میں سب کی یاد آ رہی ہے میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"

www.novelsclubb.com
NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

”پر تم نے کہا تھا سمسٹر ختم ہونے کے بعد ہم پیرس گھومیں گے۔“اس نے بے چارگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن اب میں واپس جانا چاہتی ہوں۔“گیلی آنکھیں لیے وہ مسکرادی۔ حلق میں گرہیں گہری ہونے لگی تھیں لیکن وہ بمشکل آنسو پرے دھکیلتی مسکراتی جا رہی تھی۔ مگر اس کی مسکراہٹ بہت کھوکلی تھی۔غلط انسان سے محبت اذیت دیتی ہے۔

مگر یہ کم بخت دل سہی غلط کہاں دیکھتا ہے؟

****

www.novelsclubb.com

چند ماہ بعد،

”کیسی ہو؟“ لیپ ٹاپ کی کھلی سکرین پر اجالا سے لائیو کال چل رہی تھی۔

”شاید ٹھیک ہوں۔“وہ اداسی سے بولی تھی۔ ملگجے لباس، بندھے بالوں میں گل نین بہت کمزور دکھائی دے رہی تھی۔

”میں تمھیں بہت یاد کرتی ہوں۔“

سامنے رکھے لیپ ٹاپ کی سمت دیکھا۔ لہجہ اور آنکھوں کا دکھ گواہ تھا کہ وہ واقعی یاد کرتی ہے۔

"مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔"

"وہ مجھے کل مسٹر ملک مال میں ملے تو تمہارا پوچھ رہے تھے۔ وہ ہمارے اپارٹمنٹ بھی گئے تھے، میں نے ان کو بتایا کہ تم جا چکی ہو پاکستان واپس تو ان کو کافی حیرت ہوئی۔ انہوں نے یہ بھی پوچھا کب؟ تو میں نے کہا کہ جس دن وہ آپ سے ہسپتال ملنے آئی تھی اس کی صبح لیکن۔۔۔" کچھ پل کے لئے اجالا خاموش ہوئی۔

"انہوں نے کہا کہ تم ان سے ملنے نہیں آئی تھی۔ میں نے بتایا کہ آپ کی عیادت کرنے کے لئے وہ لال گلاب بھی لے کر گئی تھی۔"

گل نین چند لمحوں کے لئے خاموش رہی تھی۔

****

گل نین کی پاکستان واپسی پر در نجف نے اسے بتایا کہ نیلم بیگم جبران کے لیے اس کا رشتہ مانگ رہی ہیں۔ جس پر سب راضی ہیں مگر اس کی رضامندی جاننے کے لئے عائش نے ان سے گل نین کے واپس آنے تک کا وقت مانگا تھا۔ گل نین کو حیرت بالکل نہیں ہوئی کیونکہ وہ جبران کے دل میں اپنے لیے جذبات بہت پہلے ہی جان چکی تھی۔ وہ کہتے ہیں نا کہ آپ کو جس سے محبت ہوا گر وہ نا ملے تو آپ اس کو مل جاؤ جیسے اسے آپ سے محبت ہے۔ بس گل نین نے بھی اسی بات پر عمل کرتے رضامندی دکھادی۔

****

سات سال بعد،

"جبرانننن!"

ایک چیختی ہوئی آواز نیلم ولا میں گونجی۔ آٹے سے لت پت کھڑی گل نین دونوں ہاتھ کمر پر رکھے سیڑھیوں سے اترتے جبران کو گھور رہی تھی۔

"کیا ہوا بیگم یہ آٹے سے کیوں نہا کر آ رہی ہو؟"

"میں آٹے سے نہیں نہائی یہ تمہاری فتنیوں کی کارستانی ہے۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"دیکھو میری معصوم بچیوں پر الزام نا لگاؤ۔ وہ دیکھو وہ دونوں بیٹھ کر پڑھ رہی ہیں۔"

جبران نے مصنوعی خفگی سے لانچ میں بیٹھی دو جڑوا بچیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جو معصومیت سے آنکھیں ٹپٹپاتیں اپنے باپ کو دیکھ رہی تھیں۔ اور گل نین گہری سانس لے کر رہ گئی۔ وہ دونوں ماں باپ کو بحث کرتا دیکھ کھی کھی کر رہی تھیں۔

"میں بتا رہی ہوں جبران میں نے کسی دن ان دونوں کو پکڑ کر خوب پٹائی کرنی ہے۔"

گل نین نے لانچ میں بیٹھی اپنی فتنیوں کو گھورا۔

"اچھا بس بس۔" وہ کہتے ان دونوں کے پاس جا بیٹھا۔

"جیسا باپ ویسی بیٹیاں۔" گل نین بڑبڑاتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔

****

"عرشمان خان یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" درنجف نے اپنے نو سالہ بیٹے کو اپنے سارے کھلونے ایک کاٹن کے ڈبے میں ڈالتے دیکھ کر رہا۔

"ماما جاناں وہ آیت اور سیرت آرہی ہیں اسلئے میں اپنے کھلونے چھپا رہا ہوں۔"

"مگر کیوں؟"

"ماما جاناں آپ کو پتا ہے نا لاسٹ ٹائم بھی انھوں نے میری ویڈیو گیم جان بوجھ کر توڑی تھی۔" وہ ڈبے کو گھسیٹتے بیڈ تک لے جاتے ہوئے بولا۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے مل کر کھیلنا چاہیے نا۔"

درے نے اس کو ڈبہ بیڈ کے نیچے رکھتے دیکھ کر سمجھایا۔

****

نکاح کی تقریب اپنے عروج پر تھی۔ سنہری روشنیوں کے ہالے میں مقید وہ ماحول ہر جانب سے شور، ہنگاموں اور قہقہوں کی بازگشت سے گونج رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

نکاح کے بعد دلہن دلہا کو اسٹیج کی زینت بنایا گیا تھا۔اسٹیج کا رخ کرو تو وہاں موجود خان فیملی فوٹو شوٹ کروا رہی تھی۔ اسٹیج پر بیٹھی زحل ابراھیم خان سفید پیروں کو چھوتی فراک پہنے جس پر جگہ جگہ نفاست سے گولڈن کام ہوا تھا، وہ بالکل ساحرا الگ رہی تھی۔ خوبصورت نین نقش۔ پھر ہلکے پھلکے میک اپ نے چاند کا ٹکڑا بنادیا تھا۔اس کے برابر میں بیٹھے اس کے محرم نے سفید کرتا پاجامہ کے اوپر گولڈن واسکٹ پہن رکھی تھی۔ گل نین نے ہلکے گلابی رنگ کی ساڑھی زیب تن کی ہوئی تھی۔اس کے ساتھ کھڑے جبران نے سفید قمیض شلوار کے ساتھ گل نین کی ساڑھی سے ملتے جلتے رنگ کی شال لے رکھی تھی۔

اور انکی فتنیوں نے لائٹ گولڈن ہلکے کام والی شارٹ شرٹس کے ساتھ ہم رنگ شرارے پہن رکھے تھے۔ ساتھ میں چھوٹے سے دوپٹے بھی لے رکھے تھے۔ آیت نے پنک، اور سیرت نے بے بی پنک۔

در نجف نے گولڈن کام والی ساڑھی کے ساتھ لائٹ میک اپ اور حجاب کیا ہوا تھا۔ ساتھ کھڑا اعائش لائٹ گولڈن رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔

ان دونوں کے آگے کھڑے عرشمان نے عائش کے جیسی سیم ڈریسنگ کی ہوئی تھی۔ یہ ایک مکمل منظر تھا، ایک مکمل گھرانہ۔ سب ایک سے بڑھ کر ایک لگ رہے تھے۔ آسمان میں موجود چانداور ستارے خوشی سے جھومتے ہوئے اُن کی خوشیوں میں شریک ہوئے۔ سرد ہوائیں یہاں سے وہاں کھلکھلاتی اُن سب کے خوشی سے جگمگاتے چہرے پر قربان ہو رہی تھیں۔ کائنات کی ہر چیز ہی ان کی خوشیوں میں شریک تھی اور ان کی دائمی خوشیوں کی دعائیں کر رہی تھی!

بعض النھایات تقودنا للأفض

"Some endings lead to better!"

www.novelsclubb.com

****